نمرہ احمد

نمل

سنہری صبح بھیگ رہی تھی جب وہ سست روی سے چلتی بس اسٹاپ تک پہنچی۔ کندھے پہ بیگ لٹکائے' ہاتھ میں پانی کی چھوٹی بوتل پکڑے' چہرے پہ ڈھیروں بے زاری لیے وہ بنچ کے قریب آئی' جہاں بیٹھ کر وہ روز دس منٹ بس کا انتظار کرتی تھی۔

اس نے بیگ ایک طرف رکھا اور بنچ پہ بیٹھ گئی۔ پھر ایک ہاتھ سے جمائی روکتے دوسرے سے بوتل کھول کر لبوں سے لگائی۔ گرمی آج کل بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ صبح ہی صبح اسے پسینہ آنے لگا تھا' جانے آگے کیا ہو گا' وہ گھونٹ بھرتی بے زاری سے سوچ رہی تھی۔ چہرے پہ بھی وہی اکتائے ہوئے تاثرات تھے' جیسے دنیا بھر سے خفا ہو۔ سنہری پیشانی پہ مستقل بڑے بل اور کانچ سی خوب صورت بھوری سنہری آنکھوں میں چھائی خفگی..... کچھ تھا اس میں جو اسے سارے میں یکتا بناتا تھا۔

لمبے کرتے اور جینز میں ملبوس' رسی کی مانند دوپٹہ مفلر کے انداز میں گردن سے لپیٹے' ٹانگ پہ ٹانگ رکھے وہ پاؤں جھلاتی' تنقیدی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی اور تب ہی اسے احساس ہوا کہ وہ سیاہ فام لڑکی آج بھی بنچ پہ اس کے ساتھ بیٹھی ہے۔

ان دونوں کے درمیان اس کا بیگ رکھا تھا اور اس وقت وہ سیاہ فام لڑکی سر جھکائے' نگاہ ترچھی کیے اس کے بیگ کو دیکھ رہی تھی' جہاں جگہ جگہ چاک اور وائٹنر سے اس نے اپنا نام لکھ رکھا تھا۔

"نمل ابراہیم..... نمل ابراہیم..... Ibrahim

www.pkdigest.com

مکمل ناول

Mehmil۔"

آڑا ترچھا' چھوٹے بڑے ہر انداز میں یہی لکھا تھا۔ وہ لڑکی کبھی بھی اس کے بیگ کو دیکھتی تھی مگر محمل کے تو روز کے دس منٹ اس سیاہ فام لڑکی کا جائزہ لیتے ہی گزرتے تھے۔

وہ بھی عجیب پراسرار کردار تھی۔ یہاں اسلام آباد میں سیاہ فام نظر آ ہی جاتے تھے مگر وہ ایتھوپین سے مختلف تھی۔ سر پہ رومال باندھ کر گردن کے پیچھے گرہ لگاتی اور نیچے اوور کوٹ' موٹے ہونٹ' سیاہ رنگت..... مگر چمکیلی آنکھیں..... کوئی ایسی چمک تھی ان میں کہ محمل کبھی ان آنکھوں میں دیکھ نہ پائی تھی ہمیشہ نگاہ چرا جاتی۔ شاید ڈیڑھ مہینہ قبل وہ اسے اپنے مخصوص اوقات میں اسٹینڈ پہ دیکھتی تھی اور ان ڈیڑھ ماہ میں ان کا انداز ہمیشہ یکساں رہا تھا۔

کمر سیدھے رکھے الرٹ سی بنچ پہ بیٹھی خاموشی سے سامنے سیدھ میں دیکھتی وہ بہت چپ سی لڑکی معلوم نہیں کون تھی اور پھر اس کی وہ پراسرار کتاب..... سیاہ جلد والی بھاری سی کتاب جس کا سیاہ سرورق بالکل خالی تھا' اس کی گود میں دھری ہوتی اور کتاب کے کناروں پہ اس کے سیاہ ہاتھ مضبوطی سے جمے ہوتے۔ اس کے انداز سے کچھ خاص جھلکتا تھا۔ کتاب کی حفاظت کا احساس یا شاید اس کے بیش قیمت ہونے کا۔

کتاب بالشت بھر موٹی تھی۔ صفحوں کے جھلکتے کنارے پیلے اور خستہ لگتے تھے' جیسے کوئی بہت قدیم کتاب ہو' سینکڑوں برس پرانا کوئی نسخہ ہو۔ کچھ تھا اس میں کوئی قدیم راز' کوئی پراسرار کتھا۔ وہ جب بھی اس کتاب کو دیکھتی' یہی سوچتی' اور آج جانے کیا ہوا' وہ اس خاموش سی لڑکی سے مخاطب ہو ہی گئی۔ شاید تجسس عاجز کر رہا تھا۔

"ایکسکیوزمی۔ ایک بات پوچھ سکتی ہوں؟"

"پوچھو۔" سیاہ فام لڑکی نے اپنی چمکیلی آنکھیں اٹھائیں۔

"یہ کتاب کس کی ہے؟"

"میری!"

"میرا مطلب ہے' اس میں کیا لکھا ہے؟"

وہ چند لمحے محمل کا چہرہ دیکھتی رہی' پھر آہستہ سے بولی۔

"میری زندگی کی کہانی!"

"اچھا۔" وہ حیرت چھپا نہ سکی۔ "میں سمجھی یہ کوئی قدیم کتاب ہے۔"

"قدیم ہی ہے۔ صدیوں پہلے لکھی گئی تھی۔"

"تو آپ کو کہاں سے ملی؟"

"مصر کی ایک پرانی لائبریری سے یہ کچھ کتابوں کے بیچ پڑی تھی' جب میں نے اسے نکالا تو اس پہ زمانوں کی گرد تھی۔" وہ محبت سے سیاہ جلد پہ ہاتھ پھیرتے کہہ رہی تھی۔ اس کے لبوں پہ مدھم سی مسکراہٹ تھی۔

"میں نے وہ گرد جھاڑی اور اسے اپنے ساتھ رکھ لیا پھر جب پڑھا تو معلوم ہوا کہ اسے تو کسی نے میرے لیے لکھوا کر اوھر رکھا تھا۔"

محمل منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں کیا دلچسپی ہے اس میں؟"

"میں اس کے بارے میں مزید جاننا چاہتی ہوں۔ کیا میں اسے پڑھ سکتی ہوں؟" وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"تم نئے دور کی نئی لڑکی ہو' اس قدیم زبان میں لکھے نسخے کو کہاں سمجھو گی؟"

"مگر یہ ہے کیا؟ اس میں لکھا کیا ہے؟" وہ تجسس اب اسے بے چین کر رہا تھا۔

"میرا ماضی....."

اسی پل بارن بجا تو محمل نے چونک کر سامنے سڑک پہ آتی بس کو دیکھا۔

"میرا حال....." وہ سیاہ فام لڑکی کہہ رہی تھی۔

محمل بیگ کا اسٹریپ پکڑے کھڑی ہوئی اسے جلدی کل پہنچنا تھا۔

"اور میرا مستقبل بھی مجھے کیا پیش آنے والا ہے' یہ کتاب سب بتا دیتی ہے۔"

"میں چلتی ہوں۔" وہ بس کی طرف دیکھتے معذرت خواہانہ انداز میں کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

"اس میں تمہارا بھی ذکر ہے محمل!" وہ اگلے پیریڈ میں مڑی۔

"میرا ذکر؟ میرے بارے میں کیا لکھا ہے؟" وہ ششدر رہی تو رہ گئی تھی۔

"یہی کہ میں تمہیں یہ کتاب دے دوں۔ لیکن میں تو اسے تمہیں تب ہی دوں گی جب تم تھک کر خود مجھ سے مانگنے آؤ گی' کیونکہ اس میں تمہاری زندگی کی کہانی بھی ہے' جو ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے۔ سب لکھا ہے۔"

بس کا تیز ہارن پھر بجا تو وہ کچھ کہے بنا تیزی سے اس طرف لپکی۔ راڈ پکڑ کر اوپر چڑھتے اس نے پل بھر کو پلٹ کر دیکھا تھا۔

وہ سیاہ فام لڑکی اسی طرح مسکرا رہی تھی۔ پراسرار' معنی خیز مسکراہٹ محمل کو ایک دم اس سے بہت ڈر لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

کالج کے بعد وہ اپنی دوست نازیہ کے ابو کی اکیڈمی میں سیونتھ کلاس کے بچوں کو سائنس اور میتھس پڑھاتی تھی' گھر پہنچتے پہنچتے اسے روز ساڑھے تین ہو جاتے تھے۔

گیٹ عبور کر کے پورچ میں دیکھا تو تین گاڑیاں آگے پیچھے کھڑی تھیں۔ دل کراہ کر رہ گیا۔ گھر میں گاڑیوں کی قطار کے باوجود وہ بسوں کے دھکے کھانے پہ مجبور تھی۔

"ہم چھابڑیوں کے رحم و کرم پہ پلنے والے یتیموں کے نصیب بھی کتنے یتیم ہوتے ہیں نا!" خود پہ ترس کھاتی وہ اندر آئی تھی۔

لاؤنج میں خاموش دوپہر اتری تھی۔ وہ سب کے سونے کا ٹائم تھا۔ آغا جان' اس کے سب سے بڑے چچا' اس وقت تک آفس سے لوٹ آئے تھے اور ان کی کچی نیند کے باعث پورے گھر کو حکم ہوتا تھا کہ پتہ بھی نہ کھڑکے ورنہ وہ ڈسٹرب ہوں گے۔ حکم بظاہر پورے گھر کو اور در حقیقت محمل اور 'مسرت' کو سنایا جاتا تھا اور آخر میں جب آغا جان کی بیگم مائی مہتاب ان الفاظ کا اضافہ کرتیں۔

"اور مسرت! ذرا اپنی بیٹی کو سمجھا دینا کہ جب اور جہاں شور پھرنے سے فارغ ہو جائے تو گھر آتے ہوئے مین ڈور آرام سے کھولا کرے' آغا صاحب کی نیند خراب ہوتی ہے۔ اب میں کچھ کہوں گی تو اسے برا لگے گا۔ گز بھر کی تو زبان ہے اس کی۔ نہ چھوٹے کا لحاظ' نہ بڑے کا ادب' استغفر اللہ۔ ہماری بیٹیاں بھی کالج میں پڑھی ہیں' ان کے تو انداز ایسے نہ نکلے جیسے محمل کے....."

وغیرہ وغیرہ تو اسے تو آگ ہی لگ جاتی تھی۔ ہر روز

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے 2 خوبصورت ناول
فصل غم کا گوشوارہ
رضیہ جمیل
قیمت 300 روپے
اے محبت تیری خاطر
نازیہ کنول نازی
قیمت 225 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

www.pkdigest.com

دروازہ کھولتے ہوئے یہی فقرہ سماعت میں گونجتا تو وہ چڑنے کے باوجود دروازہ آہستہ بند کرتی۔

کچن کی طرف آئی تو سنک میں جھوٹے برتنوں کا ڈھیر لگا تھا۔ ناگواری سے ناک چڑھائے' اس نے بیگ سلیب پہ رکھا اور ہاٹ پاٹ کی طرف بڑھی۔ صبح ناشتے کے بعد سے اب تک کچھ نہ کھایا تھا' اور اب زوروں کی بھوک لگی تھی۔

ہاٹ پاٹ کھولا تو وہ خالی تھا۔ رومال پہ روٹی کے چند ذرے بکھرے تھے۔ اس نے فریج کھولنا چاہا تو وہ لاکڈ تھا۔ مہتاب تائی اس کے آنے سے قبل فریج لاک کر دیتی تھیں۔ مسرت اس کے لیے کھانا بچا کر ہاٹ پاٹ میں رکھتی تھیں' مگر جب سے مہتاب تائی نے کھانے کی خود نگرانی شروع کی تھی' ہاٹ پاٹ ہر تیسرے دن خالی ہی ملتا تھا۔

تکلیف سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے' لیکن پھر ضبط کر کے باہر نکلی اور آہستہ سے گیٹ عبور کر کے کالونی کے باہر نکڑ والے ہوٹل سے ایک نان اور ایک کباب لے آئی کہ اتنے ہی پیسے تھے۔

واپسی پہ وہ پھر سے پرانی محمل بن چکی تھی۔ لاؤنج کا دروازہ کھول کر دھڑام سے بند کیا۔ فرش پہ پڑی فٹ بال اٹھا کر پوری قوت سے دیوار پہ ماری اور صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھی نان کباب کا لفافہ کھولنے لگی۔

لمحے بھر بعد ہی آغا جان کے کمرے کا دروازہ کھلا اور تنتناتی ہوئی تائی مہتاب باہر آئیں۔

"محمل!" وہ گرجیں تو اس نے آرام سے سر اٹھایا۔

"کباب کھائیں گی تائی اماں؟"

"شٹ اپ ہزار دفعہ کہا ہے کہ آرام سے دروازہ کھولا کرو مگر تم....."

"آہستہ بولیں تائی اماں! اس وقت آغا جان سو رہے ہوتے ہیں' اٹھ جائیں گے۔" وہ نان پہ کباب رکھ کر' پاؤں جھلاتی' بے نیازی سے کھا رہی تھی۔

"تم..... احسان فراموش..... تمہیں ذرا بھر بھی احساس ہے کہ آغا صاحب دن بھر کے تھکے....." کر فقرہ مکمل ہونے سے قبل ہی وہ اپنا نان کباب اٹھائے اپنے کمرے کی طرف جا چکی تھی۔

تائی مہتاب تلملاتی کلستی رہ گئیں۔

اندر مسرت آوازوں پہ جاگ چکی تھیں۔

"کیا ہوا ہے محمل! بھابھی بیگم کیوں ناراض ہو رہی ہیں؟"

"دماغ خراب ہے ان کا پیدائشی مسئلہ ہے' آپ کو نہیں پتہ؟" اس نے بے زاری سے نان کباب کا لفافہ بستر پہ رکھ دیا۔

"مگر ہوا کیا ہے؟" ان کی نگاہ پھسل کر لفافے پہ گئی۔ "پھر باہر سے کھانا لائی ہو؟ فریج میں....." اور پھر خود ہی خاموش ہو گئیں۔

"آپ کے لیے لائی ہوں' آپ نے کچھ کھایا۔"

"میں کھا چکی ہوں' یہ تم کھاؤ' مجھے معلوم ہے تم نے کچھ نہیں کھایا۔" وہ تھکاوٹ سے مسکرائیں تو محمل نے لمحہ بھر کو ماں کو دیکھا۔ سادہ گھسے ہوئے کاٹن کے جوڑے میں' سفید ہوئے بال اور جھریوں زدہ چہرے والی اس کی تھکی تھکی بے ضرر سی ماں جو واقعی اس عالی شان کوٹھی کی مالکن ہوتے ہوئے بھی ملازمہ لگتی تھی۔

"دل برا مت کیا کرو محمل! اللہ کا نام لے کر کھا لو۔"

"مجھے غصہ آتا ہے ان لوگوں پہ اماں!"

باہر تائی مہتاب کے بولنے کی آواز برابر آ رہی تھی۔ وہ اب شور کر کے جانے کس کس کو بتا رہی تھیں۔

"ناشکری مت کرو بیٹا! انہوں نے رہنے کے لیے ہمیں چھت دی ہے' سہارا دیا ہے۔"

"احسان نہیں کیا' میرے باپ کا گھر ہے۔ اسے ابا نے ہمارے لیے بنوایا تھا' یہ بزنس' یہ فیکٹریاں یہ سب ابا نے خود بنایا تھا' سب کچھ ابا نے ہمارے نام کیا تھا۔"

"تمہارے ابا اب زندہ نہیں ہیں محمل! وہ اب کہیں بھی نہیں ہیں۔" وہ جیسے تھک کر کہہ رہی تھیں اور وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ پھر سر جھٹک کر لفافہ اٹھایا۔

نان سخت ہو گیا تھا اور کباب ٹھنڈا۔ وہ بے دلی سے لقمے توڑنے لگی۔

☆ ☆ ☆

یہ ٹھنڈا' بے لذت کھانا کھا کر وہ کچھ دیر ہی سو پائی تھی کہ ٹھاہ کی آواز کے ساتھ کمرے کے دروازے سے فٹ بال ٹکرایا۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

باہر دیواروں پہ فٹ بال مارنے کی آواز برابر آ رہی تھی۔

کچی نیند ٹوٹی تھی۔ وہ برا سا منہ بنائے' جمائی روکتی اٹھی۔ سلیپر پہنے اور ہاتھوں سے بال لپیٹتے دروازہ کھولا۔

اس کا اور مسرت کا مشترکہ کمرہ دراصل کچن کے ساتھ ملحقہ اسٹور روم تھا۔ بہت چھوٹا' نہ بہت بڑا۔ عرصہ پہلے اس کاٹھ کباڑ سے خالی کروا کے ان دونوں کو ادھر منتقل کر دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ باتھ روم نہ تھا' اس لیے ان کو لاؤنج پار کر کے گیسٹ باتھ روم کی طرف جانا پڑتا تھا۔

باہر لاؤنج میں ناعمہ چاچی کے چھوٹے معاذ اور معیز فٹ بال ادھر ادھر مارتے دوڑتے پھر رہے تھے۔

"تمیز نہیں ہے تم لوگوں کو' دیکھ کر کھیلا کرو' میں سو رہی تھی۔"

کچن کے کھلے دروازے پہ کھڑی' اندر کسی سے بات کرتی ناعمہ چچی فوراً مڑیں۔

"اب میرے بچے کھیلیں بھی نا! تمہارا تو کام ہی سونا ہے' نہ دن دیکھا نہ رات' ہر وقت بستر ہی توڑتی رہتی ہو۔"

"ہاں تو میرے باپ کے پیسے سے یہ بستر آئے تھے' توڑوں یا پھوڑوں' میری مرضی۔ ابا کی ڈیتھ سے پہلے اسد چچا تو غالباً بے روزگار تھے نا!" وہ بھی محمل تھی سارے حساب فوراً چکا کر بے نیازی سے باتھ روم کی طرف چلی گئی۔ ادھر ناعمہ چچی بڑبڑاتی رہ گئیں۔

منہ ہاتھ دھو کر اس نے اپنی سلکی بھورے بال دونوں ہاتھوں میں سمیٹ کر اونچے کیے اور پونی باندھی۔ بہت اونچی سی بھوری یہ پونی ٹیل اس پہ بہت اچھی لگتی تھی۔ وہ ذرا بھی سر ہلاتی تو اونچی پونی ساتھ ہی گردن کے اوپر جھولتی۔

اس کی آنکھیں کانچ سی سنہری تھیں اور ہلکا سا کاجل بھی ان کو دہکا دیتا تھا۔ وہ بلاشبہ گھر کی سب سے حسین لڑکی تھی۔

"اسی لیے تو جلتی ہیں یہ سب۔" اسے ہنسی آگئی۔ ایک نظر خود پہ ڈالی۔ جینز کے اوپر کھلا سا کرتا اور گردن کے گرد لپٹا دوپٹہ' سفلر کی طرح ایک پلو سامنے کو لٹکتا اور دوسرا کمر پہ گرتا وہ واقعی سب سے منفرد تھی۔

کچن میں تائی مہتاب نگٹس نکال کر مسرت کے سامنے رکھ رہی تھیں' جو بہت تابعداری سے ایک طرف چائے کا پانی چڑھا کر' دوسری طرف کڑاہی میں تیل گرم کر رہی تھیں۔ اس پہ نظر پڑی تو نگٹس رکھتے ہوئے ذرا لاپرواہی سے گویا ہوئیں۔

"یہ بچوں کے لیے فرائی کر دو مسرت! اب ہر کوئی تو باہر سے منہ مار کر نہیں آتا نا!"

"بجا فرمایا تائی اماں! یہاں تو لوگ گھر کے اندر ہی دوسروں کے مال پہ منہ مارتے ہیں۔" وہ اطمینان سے کہہ کر کولر سے پانی کا گلاس بھرنے لگی۔

"زبان کو سنبھالو لڑکی! توبہ ہے' ہماری بیٹیاں تو کبھی ایسے ہمارے آگے نہ بولیں۔"

"آپ برا مت مانیں بھابھی بیگم! میں سمجھا دوں گی۔" گھبرا کر مسرت نے ایک ملتجی نگاہ محمل پہ ڈالی۔ وہ کندھا اچکا کر کھڑے کھڑے پانی پینے لگی۔

"سمجھا دینا' بہتر ہو گا۔" اس پہ ایک تنفر بھری نگاہ ڈال کر تائی مہتاب باہر چلی گئیں۔ ناعمہ چچی پہلے ہی جا چکی تھیں۔ اب مسرت اور محمل ہی کچن میں رہ گئے تھے۔

"اب یقیناً برتن بھی آپ کو ہی دھونے ہوں گے' اماں!"

"دھو بھی دوں تو کیا ہے' ان کے احسان کم ہیں ہم پہ۔" وہ مصروف سی ایک ایک کر کے نگٹس کڑاہی میں ڈال رہی تھیں۔

محمل نے ایک گہری سانس لی اور آستینیں موڑ کر

www.pkdigest.com

سنک کی طرف متوجہ ہوئی۔ اسے علم تھا کہ اگر وہ نہ کرے گی تو مسرت کو ہی کرنا ہوگا اور ابھی تو انہوں نے رات کا کھانا بھی تیار کرنا تھا۔

"رہنے دو بیٹا! میں کرلوں گی۔"

"مجھے پتہ ہے آپ کرلیں گی مگر میں بھی ان لوگوں پہ ذرا احسان کرنا چاہتی ہوں۔" وہ برتن دھو کر فارغ ہوئی تو مسرت ٹرالی بھر چکی تھیں۔

"محمل یہ باہر لے جاؤ' سب لان میں ہوں گے۔" وہ بنا احتجاج ٹرالی گھسیٹنے لگی۔ لان میں روز شام کی طرح کرسیاں لگی تھیں۔

آغا کریم اخبار کھولے دیکھ رہے تھے' ساتھ ہی مہتاب تائی اور ناعمہ چچی باتیں کر رہی تھیں۔ ناعمہ چچی سب سے چھوٹے چچا اسد کی بیوی تھیں' جو قریب ہی بیٹھے غفران چچا سے کچھ کہہ رہے تھے۔ غفران چچا اور محمل کے ابا' آغا ابراہیم جڑواں تھے۔ آغا کریم ان سے بڑے اور اسد چچا چاروں بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔

غفران چچا کی بیگم فضہ چچی برآمدے میں کھڑی' اپنی بیٹی کو آواز دے رہی تھیں۔ اسے ٹرالی لے کر آتا دیکھ کر مسکرائیں۔

"ارے محمل جان! تم اکیلی لگی رہیں' ندا یا سامیہ کو کہہ دیا ہوتا' تمہاری ہیلپ کروا دیتیں۔"

فضہ چچی' ناعمہ اور مہتاب کی طرح زبان کی کڑوی نہ تھیں' بلکہ اتنی میٹھی تھیں کہ جب یہ مٹھاس اپنے لبوں سے دوسرے کے حلق میں انڈیلتیں تو وہاں کانٹے اگ آتے تھے۔

"اٹس اوکے۔" وہ بھی بس مسکرا کر ٹرالی آگے لے گئی۔ اب کیا کہتی کہ ندا اور سامیہ نے پہلے کون سے کام کیے تھے جواب کرتیں۔ اگر وہ انہیں بلاتی تو وہ فوراً چلی آتیں' ایک دو چیزیں پکڑاتیں' چولہا جلاتیں' باتیں بگھارتیں' اور پھر آہستہ سے کھسک جاتیں۔ اس کے بعد لان میں فضہ چچی سب کو ایک ایک چیز "یہ چکھیں' میری سامیہ نے بنائی ہیں۔" اور "میری ندا کے ہاتھ میں تو بہت ذائقہ ہے۔" کہہ کر پیش کرتیں۔

اس پہ مہتاب تائی ان کی طرف توجہ کرتیں کہ مسرت اور محمل کو کابلی کے وہ طعنے ملتے کہ اس سارے قضیہ سے بچنے کو محمل نے کبھی ان دونوں کو بلانے کی غلطی نہ کی تھی۔ مگر فضہ چچی کی یہ میٹھی زبان ہی تھی کہ نہ وہ کبھی ان کو پلٹ کر جواب دے سکی' نہ ہی کچھ جتا سکی تھی۔ وہ موقع ہی نہ دیتی تھیں۔

"لاؤ' لاؤ' جلدی کرو دونوں ماں بیٹی لگتی ہیں پھر بھی گھنٹہ لگ جاتا ہے۔"

"تائی! آپ کوئی ملازمہ کیوں نہیں رکھ لیتیں۔ کم از کم آپ کو ہم ماں بیٹی پہ چلانا تو نہیں پڑے گا۔" وہ تیزی سے کہہ کر ٹرالی وہیں چھوڑے واپس چلی گئی۔ سب باتیں چھوڑ کر ادھر دیکھنے لگے تھے۔

"احسان کرنے کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔" تائی نے ٹرالی اپنی طرف کھینچی۔ آغا کریم نگاہیں چرا کر پھر سے اخبار میں گم ہو چکے تھے۔

وہ واپس کچن کی طرف آئی تو فواد تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا نیچے آرہا تھا۔

"چائے لگ گئی؟" آخری سیڑھی اترتے مصروف سے انداز میں کہتے وہ کلائی پہ گھڑی باندھ رہا تھا۔

"اسنیکس لے گئی ہوں' چائے لاتی ہوں۔" وہ زیادہ غور سے سنے بغیر باہر نکل گیا۔ محمل نے رک کر لمحہ بھر کو اسے جاتے دیکھا۔

وہ مہتاب تائی کا بڑا بیٹا تھا۔ حنان' وسیم اس کے بعد تھے اور سدرہ اور مہرین سب سے چھوٹی تھیں۔ فواد' آغا جان کے آفس جاتا تھا' اونچا لمبا' خوش شکل تو تھا ہی مگر ڈریسنگ اور دولت کی چمک دمک سے مزید پرکشش اور ہینڈسم لگتا تھا۔ خاندان کا سب سے پاپولر لڑکا' جس پہ ہر لڑکی کا دل اور لڑکی کی ماں کی نظر تھی۔ ندا اور سامیہ ہوں' یا ناعمہ چچی کی مغرور' نخریلی آرزو' سب فواد کے آگے پیچھے پھرتیں۔ رضیہ پھپھو تو اپنی اکلوتی فائقہ کے لیے کبھی فواد کو ڈنر پہ بلا رہی ہیں تو کبھی فائقہ انڈوں کا حلوہ بنا کر اس کے لیے لا رہی ہے۔ فواد میٹھا شوق سے کھاتا تھا سو یہ لڑکیاں ماؤں کے بنائے کو اپنا کہہ کر بہت شوق سے پیش کرتی تھیں۔ مگر وہ بھی سدا کا بے نیاز

تھا۔ اپنی اہمیت کا احساس تھا کہ بے نیازی اور اتراہٹ کم نہ ہوتی تھی۔ اور وہی تو تھا جس پہ مہتاب تائی گردن اونچی کرکے پھرتی تھیں' ورنہ حنان تو بمشکل ایف اے کرکے دبئی ایسا گیا کہ نہ تو پھر خط پتر لکھا' نہ ہی پھوٹی کوڑی گھر بھیجی۔ تعلیمی ریکارڈ اس کا اتنا برا تھا کہ تائی کڑھتی رہتی تھیں۔ مگر یہ وسیم تھا جس نے تائی اور آغا کریم کا ہر جگہ سر شرم سے جھکایا تھا۔

نالائق' نکما' ایف اے میں دو بار فیل ہو کر پڑھائی چھوڑ کر آوارہ گردی میں مشغول' سگریٹ کا عادی۔۔۔ اور کہنے والے تو دبے لفظوں کہہ بھی دیتے تھے کہ ان گلیوں کا بھی پرانا شناسا ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔

وہ سر جھٹک کر کچن میں آئی تو مسرت جلدی جلدی کپڑے سے سلیب صاف کر رہی تھیں۔ ان کی پیالی میں آدھا کپ چائے پڑی تھی۔ ان سے کچھ کہنا بے کار تھا' اس نے ٹرے اٹھالی۔

لان میں فضہ چچی کے ساتھ والی کرسی پہ فواد بیٹھا تھا۔ وہ اسے مسکرا کر بہت توجہ سے کچھ بتا رہی تھیں اور وہ لاپروائی سے سن رہا تھا۔

محمل اس کے کپ میں چائے انڈیل ہی رہی تھی کہ وہ کہہ اٹھا۔

"میرے کپ میں چینی مت ڈالنا۔"

"نہیں ڈالی۔" وہ پنجوں کے بل گھاس پہ بیٹھی سب کو چائے اٹھا کر دے رہی تھی۔

"ارے بیٹا! چینی کیوں نہیں پی رہے؟" فضہ چچی بہت زیادہ فکر مند ہوئیں۔

"یونہی کچھ ویٹ لوز کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"اتنے تو اسمارٹ ہو اور کیا لوز کرو گے؟" آرزو اسی پل سامنے والی کرسی پہ آبیٹھی تھی۔ "اور میری چائے میں آدھا چمچہ چینی' محمل!"

وہ فواد کے بالکل سامنے ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کر بیٹھی تھی۔ چست سا سفید ٹراؤزر اور اوپر قدرے کھلے گلے والی ریڈ شارٹ شرٹ۔ کندھوں تک اسٹیپ میں کٹے بال' اور گندمی عام سا چہرہ جس کو بہت محنت سے اس نے قدرے پرکشش بنایا تھا مگر پتلی کمان سی آئی بر اس کو بہت شاطر دکھاتی تھیں۔

"فٹ تو رکھنا پڑتا ہے خود کو۔ محمل! یہ کباب پکڑانا۔" فواد نے ہاتھ بڑھا کر کہا تو محمل نے فوراً کباب کی پلیٹ اٹھا کر دینی چاہی اور دیتے دیتے اس کی انگلیاں فواد کے ہاتھوں سے مس ہوئیں۔ وہ چونکا' تو گھبرا کر محمل نے پلیٹ چھوڑ دی۔ وہ گر جاتی اگر وہ تھام نہ لیتا۔ محمل نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔ وہ پلیٹ پکڑے یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ چونک کر' سب کچھ بھول کر جیسے اسے پہلی دفعہ دیکھا ہو۔ بس لمحے بھر کا عمل تھا۔ اس نے رخ پھیر لیا تو وہ بھی دوسری جانب متوجہ ہو گیا۔

فضہ چچی اور آرزو کسی اور طرف متوجہ تھیں۔ کسی نے بھی وہ لمحہ محسوس نہ کیا تھا جو آکر گزر بھی چکا تھا اور فواد' وہ وقفے وقفے سے اس پہ ایک نگاہ ڈالتا تھا' جو پنجوں کے بل گھاس پہ بیٹھی سب کو چائے سرو کر رہی تھی۔ ذرا سا سر جھکاتی تو بھوری پونی ٹیل اور اونچی لگتی۔ سر اٹھاتی تو پونی ساتھ ہی جھولتی اور وہ کانچ سی سنہری آنکھیں ان ساری لڑکیوں کے پاس اس جیسا کچھ بھی تو نہ تھا۔

وہ چائے کے سپ لیتا خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

☆ ☆ ☆

شام میں وہ کمرے میں بند پڑھتی رہی' پھر مغرب ڈھل گئی تو کچن میں آگئی جہاں مسرت پھرتی سے کٹنگ بورڈ پہ پیاز ٹماٹر کاٹتی رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ کچن میں اور کوئی نہ تھا اور سارا پھیلاوا یقیناً انہی کو سمیٹنا تھا۔

"اماں! یہ تائی اماں یا چاچیوں میں سے کوئی کھانے کی ذمہ داری کیوں نہیں لیتا؟ ہمیشہ آپ ہی کیوں بناتی ہیں؟" وہ یہ سب دیکھ کر مول گئی تھی۔

"تو ہمارا گھر ہے بیٹا! میں یہ کردوں گی تو کیا ہو جائے

www.pkdigest.com

گا؟"

"آپ تھکتی نہیں ہیں ان کی خدمت کرتے کرتے؟"

"نہیں، تھکن کیسی؟" وہ اب جھک کر چولہا جلا رہی تھیں۔

"اچھا بتائیں، کیا بنانا ہے؟ میں کچھ کرا دوں۔"

"بریانی تو بنانی ہی ہے، باقی مہتاب بھابھی سے پوچھتی ہوں۔" اور اس پل مہتاب تائی نے کچن کے دروازے سے جھانکا۔

"کھانا بنانا اب شروع بھی کر دو مسرت! روز دیر ہو جاتی ہے۔"

مسرت چولہا جلاتے فوراً پلٹی۔ "جی بھابھی! بس شروع کر رہی ہوں، آپ بتائیں، بریانی کا وسیم بیٹا کہہ گیا تھا، ساتھ کیا بناؤں؟" وہ دوپٹے سے ہاتھ پونچھتے ان کے سامنے جا کر پوچھنے لگیں۔

"ساتھ ہی مٹر قیمہ بنا دو، کباب بھی تل لینا، اور دوپہر والا اروی گوشت بھی گرم کر لینا، آلو کا ایک سالن بھی بنا لو، سلاد رائتہ بھی نہ بھولنا۔"

"جی اور میٹھے میں؟"

"دیکھ لو۔" وہ بے نیازی و نخوت سے گویا ہوئیں۔ "پڈنگ بنا لو۔ یا ڈبل روٹی کی کھیر۔" اور ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈال کر پلٹ گئیں۔

"ایک ٹائم پہ دیگچے بھر بھر کے آپ تین تین، چار چار ڈشز بناتی ہیں، مگر رات کے لیے کچھ بچتا ہی نہیں ہے۔" وہ کلستی بھی تھی اور حیران بھی ہوتی۔

"تم خود ہی تو کہتی ہو کہ وہ ہمارا مال حرام طریقے سے کھاتے ہیں پھر حرام میں کہاں برکت ہوتی ہے بیٹا؟" ان کے لہجے میں برسوں کی تھکن تھی اور کہہ کر وہ پھر سے کٹنگ بورڈ پہ جھک گئیں۔

وہ بالکل چپ سی ہو گئی۔ واقعی کیوں یہاں دیگچے کے دیگچے ایک وقت کے کھانے پہ ختم ہو جاتے تھے، اس نے تو کبھی اس پہلو پہ سوچا ہی نہ تھا اور اماں بھی ان کے ہر ظلم و زیادتی سے آگاہ تھیں، پھر بھی چپ چاپ سہے جاتی تھیں۔

"ہمارا مال!" دل میں ایک کانٹا سا چبھا۔ گیارہ برس قبل ابا کی ڈیتھ سے پہلے یہ فیکٹریاں، یہ جائیدادیں، بینک بیلنس، یہ امپورٹ ایکسپورٹ کی پوری بزنس ایمپائر، سب ابا کا تھا اور یہ آغا کریم، یہ راجہ بازار میں کپڑے کی ایک دکان چلاتے تھے۔ غفران چچا ایک معمولی سی کمپنی میں انجینئر بھرتی تھے اور آرزو کے والد اسد چچا، وہ تو وسیم کی طرح تھے، بے روزگار، نکمے، نکھٹو اور نالائق پھر کیسے ابا کے چہلم کے بعد وہ اپنے اپنے کرائے کے گھر خالی کر کے باری باری ادھر آن بسے۔

یہ آغا ابراہیم کا گھر "آغا ہاؤس" تین منزلہ عالی شان محل نما کوٹھی تھی، نچلی منزل پہ آغا جان کی فیملی نے بسیرا جمایا، بالائی پہ فضہ چاچی نے اور سب سے اوپری منزل پہ اسد چچا کی فیملی کا قبضہ تھا۔ وہ چند دن کے لیے آئے تھے، مگر پھر وہ چند دن کبھی ختم نہ ہوئے۔ بات بے بات جگہ کی کمی کا رونا رویا جاتا، یہاں تک کہ ماسٹر بیڈ روم سے مسرت اور محمل کو نکال کر اسٹور میں شفٹ کر دیا گیا۔ وہ اس وقت چھوٹی تھی، شاید نو دس برس کی، مگر جیسے جیسے شعور کی منزلیں پار کیں، تو اندر ہی اندر لاوا پکتا رہا، اب تو عرصہ ہوا اس نے دبنا چھوڑ دیا تھا۔ گھر کے مردوں کے سامنے تو خیر وہ زبان بند ہی رکھتی مگر تائی، چچیوں سے برابر کا مقابلہ کرتی اور کزنز تو کسی کھاتے میں نہ تھیں۔ لیکن اس زبان چلانے کے باعث اس پہ سختیاں بڑھتی گئیں۔ وہ محض زبان سے جواب دے سکتی تھی مگر تائی اماں وغیرہ دوسرے حربے بھی استعمال کرتے۔ جب سے اس نے اپنے ذاتی جیب خرچ کے لیے ایک دوست کے والد کی اکیڈمی میں ٹیوشنز دینی شروع کی تھیں اس کو گھر واپسی میں دیر ہو جاتی اور نتیجتاً یا قصداً اس کے لیے دوپہر کا کھانا نہ رکھا جاتا۔ ایک دفعہ اماں ایک روٹی اور سالن کی پلیٹ بچا کر کمرے میں لے گئیں، مگر تائی مہتاب کی نگاہ پڑ ہی گئی اور گھر میں بھونچال ہی آ گیا۔ وہ وہ باتیں سنائیں مسرت کو ایسے ایسے "چوری" کے الزامات و القابات سے نوازا کہ مسرت پھر کبھی اس کے لیے کچھ نہ بچا سکیں۔ شاید تائی یہ سب اس لیے کرتی تھیں

تاکہ وہ ٹیوشن چھوڑ دے اور جو پندرہ سو روپیہ اس ٹیوشن سے ملتا ہے، وہ اسے نہ ملا کرے۔

اور ٹیوشن کی اجازت بھی تو کتنی منتوں سے اسے ملی تھی۔ جب سب کے سامنے ہی اس نے پوچھ لیا تو شروع میں تو سب ہی اکھڑ گئے لیکن اس کا فقرہ کہ "ٹھیک ہے، آج یکم تاریخ ہے، لائیے آغا جان! میری پاکٹ منی نکالیے، مگر وہ اتنی ہی ہو جتنی سدرہ اور مہرین باجی کو ملتی ہے، کیونکہ اگر مجھے پاکٹ منی نہ ملی تو میں سدرہ اور مہرین کے ہر اچھے اور مہنگے جوڑے کو آگ لگا دوں گی۔" اور وہ پہلی دفعہ وہ اتنی جنونی ہو کر بولی تھی کہ مزید دس منٹ کی بحث کے بعد اسے اجازت مل ہی گئی تھی اور ابھی جو اماں نے یاد دلا دیا کہ وہ لوگ ان کا مال کھاتے ہیں، تو وہ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ کچھ ایسا ضرور ہے کہ آغا جان اس بیس سالہ لڑکی سے خائف ہیں۔ اگر کبھی جو وہ اپنا حصہ مانگنے کھڑی ہو جائے تو... تو کیا ان کا کیس اتنا کمزور ہے کہ وہ عدالت کا فیصلہ اپنے حق میں نہ کرا سکیں گے اور انہیں ہر چیز محمل کے حوالے کرنی پڑے گی؟ اور کیا وہ بیس سالہ لڑکی اتنی باہمت ہے کہ وہ ان سب کو ان شطرنج کے اتنے ماہر اور چالباز کھلاڑیوں کو اپنی انگلیوں پہ نچا سکے؟

جواب ایک زوردار "نہیں" تھا۔ وہ کبھی بھی ان کے خلاف اٹھ کھڑی نہیں ہو سکتی تھی، لیکن... اگر کبھی اس کے ہاتھ ان کی کوئی کمزوری لگ جائے، کوئی دکھتی رگ جسے دبا کر وہ اپنے سارے حساب چلتا کر سکے، تو کتنا مزا آئے... مگر ایسی کیا دکھتی رگ ہو سکتی تھی ان کی؟

"بات سنو؟" مہتاب تائی نے پھر سے کچن میں جھانکا تو وہ اپنے خیالات کی بہکتی رو سے چونکی۔

"فواد کہہ رہا ہے میٹھے میں چاکلیٹ سوفلے ہونا چاہیے یوں کرو، ابھی ساتھ ساتھ شروع کر دو اور ہاں کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے۔ بہت عرصے بعد میرے بیٹے نے کسی خاص میٹھے کی فرمائش کی ہے۔" بہت مان و فخر اور تنبیہہ بھرے انداز میں کہہ کر وہ پلٹ گئیں اور محمل کے ذہن کی بھٹکتی رو اسی ایک نکتے پہ منجمد ہو گئی۔

"میرا بیٹا... میرا بیٹا!"

تو آغا جان اور مہتاب تائی کی کمزوری، دکھتی رگ اور ترپ کا پتہ سب کچھ فواد ہی تھا۔

اور اگر... اگر جو یہ دکھتی رگ اس کی انگلی تلے آ جائے... تو؟

"محمل! یہ آلو کاٹ دو۔ میرا خیال ہے آلو انڈے بھی بنا لیتے ہیں، سب شوق سے کھاتے ہیں۔"

"ہوں۔" وہ سوچ میں گم ان کے قریب آئی اور آلو چھیلنے لگی۔

مسرت نے بریانی کا مسالا بنایا، قیمہ مٹر بھی پکنے کے قریب تھا۔ محمل نے شامی کباب تلے، پھر آلو انڈے کا سالن، سلاد رائتہ، سب بنا چکی تو مسرت روٹی پکانے لگیں۔

"فواد کے لیے سوفلے بنا کر فریج میں رکھ دیا تھا نا؟"

"جی اماں! آپ فکر ہی نہ کریں۔" وہ مسکرا کر بولی۔ اسے شام لان میں فواد کا خود کو چونک کر دیکھنا اور لمحے بھر کو مبہوت ہونا یاد آیا تھا۔ جو غلطی خاندان کی ساری لڑکیاں کرتی تھیں وہ محمل کو نہیں دہرانی تھی۔ اسے اپنی اہمیت نہیں گنوانی تھی، اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

ذرا دیر کو وہ ہاتھ روک کر مسرت سے نظر بچا کر باہر لاؤنج میں گئی، جہاں تمام لڑکیاں اس وقت بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔

آرزو اسی چست لباس میں ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی تھی۔ فواد کی بہنیں سدرہ اور مہرین بھی قریب ہی تھیں۔ سدرہ چوبیس برس کی بہت عام شکل کی لڑکی تھی، اسی کمی کو پورا کرنے کے لیے خوب سارا میک اپ اور جیولری گھر میں بھی زیب تن کیے رہتی۔ سیاہ بالوں میں گولڈن اسٹریکنگ بھی کرا رکھی تھی، پھر بھی زیادہ فرق نہ پڑا تھا۔

تیئس سالہ مہرین کا البتہ قد چھوٹا تھا، کافی چھوٹا اور بال بے حد گھنگھریالے۔ وہ سارا سارا دن اپنے بال سیدھے کرنے یا قد لمبا کرنے کے ٹوٹکے آزماتی رہتی۔ نقش اس کے سدرہ کی نسبت بہتر تھے۔

فضہ چچی کی ندا اور سامیہ میں سے ندا بڑی تھی اور

www.pkdigest.com

سامیہ چھوٹی مگر سامیہ اپنے بے حد لمبے قد کے باعث بڑی لگتی تھی۔ مہرین اس سے اسی باعث خار کھاتی اور سامیہ بھی ماں کی طرح میٹھی میٹھی باتوں میں سارا دن مہرین کو مزید احساس دلاتی رہتی۔ ندا شکل کی ذرا اچھی تھی، سانولی رنگت پر بڑی بڑی آنکھیں اسے قدرے متاثر بناتی تھیں اور کبھی آرزو اس کو ناپسند کرتی تھی۔ شاید وہ جانتی تھی کہ فواد کے لیے اس کے مقابلہ پہ سامیہ کمزور جبکہ ندا ایک مضبوط امیدوار تھی۔

فواد کی بہنیں سدرہ اور مہرین تو فی الے کر کے ہی پڑھائی چھوڑ چکی تھیں جبکہ بائیس سالہ سامیہ، تیئیس سالہ ندا بی اے کرنے کالج اور تیئیس سالہ آرزو ماسٹرز کے لیے یونیورسٹی جاتی تھیں۔ آرزو مرمر کر پاس ہونے والوں میں سے تھی اور اس کے یونیورسٹی پہنچ جانے کی بڑی وجہ آغا جان کی سفارشیں تھیں۔ یہ سفارشیں سدرہ اور مہرین کے وقت بھی کام آجاتیں اگر جو انہیں پڑھنے کا ذرا بھر بھی شوق ہوتا۔

"بات سنیں۔" اس نے بظاہر عجلت میں سب کو مخاطب کیا۔ "رات کھانے کے لیے سوفلے بنانا ہے آپ لوگوں میں سے کوئی ہیلپ کرائے گا؟"

"نہیں۔" آرزو نے ریموٹ سے چینل بدلتے اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔

ندا اپنے ناخنوں پر سے کیوٹکس کھرچ رہی تھی، لمبی سی سامیہ فوراً فون کی طرف متوجہ ہوگئی۔ مہرین نے چہرے کے آگے رسالہ کرلیا اور سدرہ بہت انہماک سے اسی وقت ٹی وی پہ چلنے لگی۔

"چلیں فائن۔" وہ واپس کچن میں آگئی۔

ڈائننگ ہال میں روز کی طرح کھانا کھایا گیا۔

محمل ہمیشہ کی طرح سب سے آخری کرسی پہ موجود تھی، جو آغا جان کی سربراہی کرسی کی بالکل سیدھ میں تھی۔ مسرت ادھر ادھر چیزیں پکڑاتی پھر رہی تھیں۔

"بیٹھا لے آؤ۔" کھانا ختم ہوا تو مہتاب تائی نے محمل کو اشارہ کر کے کہا۔ مسرت ابھی جھوٹے برتن اٹھا کر کچن کی طرف گئی تھیں۔

"بیٹھا تو آج نہیں بنتا۔" وہ بہت اطمینان سے با آواز بلند بولی تو سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"مگر۔۔۔" فواد نے الجھ کر ماں کو دیکھا۔ "میں نے کہا تھا کہ چاکلیٹ سوفلے بنانا ہے۔"

"جی مگر آپ کا چاکلیٹ سوفلے نہیں بنتا۔"

"محمل! یہ کیا بدتمیزی ہے؟" تائی اماں نے گھرکا۔

"بدتمیزی؟ فواد بھائی، آپ یہ کھانے کی دو شرٹ گنیں۔ بریانی، مٹر قیمہ، اروی گوشت، آلو کباب، سلاد، رائتہ، ذرا غور کر دیکھیں، یہ سب اماں نے اکیلے بنایا ہے۔ میرے ایگزامز ہو رہے ہیں، میرے پاس وقت نہیں تھا کہ بتاتی اور آپ کی ان بہنوں سے کہا بھی کہ فواد بھائی کے لیے سوفلے بنانا ہے، ہیلپ کروا دو، مگر سب نے انکار کر دیا۔ اب اتنا سب کرنا اور اوپر سے میٹھا بنانا ہمارے بس سے باہر تھا، سوری میں کل بنا دوں گی یا اگر میری ماں کی تھکن سے بڑھ کر آپ کو اپنا ٹیسٹ عزیز ہے تو میں انہیں کہہ دیتی ہوں۔ اماں! اماں!" اس نے آواز لگائی اور جہاں لڑکیاں بے چینی سے پہلو بدل رہی تھیں اور مہتاب تائی کچھ سخت سنانے ہی لگی تھیں وہ کہہ اٹھا۔

"نہیں، نہیں اس لوکے میں نے خیال نہیں کیا کہ تمہارے ایگزام ہیں اور ممی!" اس نے ماں کو تنبیہی نگاہوں سے دیکھا۔ "کچن کا کام صرف محمل اور مسرت چچی کی ذمہ داری نہیں ہے، ان ساری نواب زادیوں کو بھی کہا کریں، ہاتھ تو بٹا سکتی ہیں یہ۔"

"ہاں تو کرتی تو ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" آغا جان نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے بات ختم کرنا چاہی۔ جوان بیٹا جوان سے اونچا تھا، اس کی بات کے آگے انہیں اپنی بات کمزور لگ رہی تھی۔ مہتاب تائی پہلو بدل کر رہ گئیں۔ ناعمہ چچی زیر لب کچھ بڑبڑائیں اور تو اور فضہ چچی بھی خاموش سی ہو گئی تھیں۔ لڑکیاں الگ شرمندہ۔

وہ اطمینان سے فواد کے اٹھنے سے قبل ہی اٹھ گئی تھی۔ مسرت کو برتن اٹھاتے پہلے تو علم بھی نہ ہو سکا کہ کیا ہوا ہے اور جب ہوا تو معافی تلافی کرنے لگیں، اندر آکر محمل کو بھی ڈانٹا مگر وہ پروا کیے بغیر کتابوں میں

سر دیے بیٹھی رہی۔ فواد کے اٹھنے کے بعد یقیناً" تائی نے بہت سنائی تھیں، مگر فواد کے الفاظ کا اثر زائل نہیں کر سکتی تھیں۔ اس کی گھر میں ایک مضبوط حیثیت تھی اور پہلی دفعہ کسی مضبوط حیثیت والے نے محمل اور مسرت کی طرف داری کی تھی۔ سو بہت سی خواتین رات کو کڑھتے ہوئے سوئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

صبح کالج بس کے لیے وہ اسٹاپ پہ رکھے بنچ کی طرف آئی تو ذہن ابھی تک ادھر ہی الجھا تھا۔ بنچ پہ بیٹھتے ہوئے اس نے سرسری سا دیکھا، وہ سیاہ فام لڑکی اسی طرح بیٹھی تھی۔ گود میں رکھی کتاب کے کناروں پہ مضبوطی سے ہاتھ جمائے خاموشی سے سامنے دیکھ رہی تھی۔

وہ جمائی روکتی بیٹھ ہی گئی، اور بے دلی سے بس کا انتظار کرنے لگی۔ اس نے وہی کل والا اجرک کا کرتا جینز کے اوپر پہن رکھا تھا اور بال اونچی پونی میں بندھے تھے۔ سوچ میں فواد کے ارد گرد گھوم رہی تھی۔ صبح وہ جلدی نکلی تھی، تب تک وہ نیچے نہیں آیا ہوا تھا۔ اس کا کمرہ دوسری منزل پہ تھا، ہو بھی تو غفران چچا، فضہ چچی کی آماجگاہ، مگر وہ کھانے والا کمرہ فواد کا پسندیدہ تھا، سو وہ اس کو عرصہ پہلے الاٹ کر دیا گیا تھا۔ فضہ چچی کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا حسن ہی تھے، سو وہ کمرہ ان کی ضرورت سے زائد تھا۔ اور یہ تو محمل کا دل ہی جانتا تھا کہ وہ کمرہ تو انہوں نے سوایا ہی اس کے لیے تھا، تب۔۔۔

سیاہ فام لڑکی اسی خاموشی سے سامنے دیکھ رہی تھی۔ وہ بور ہونے لگی تو ادھر ادھر گردن گھمائی۔ سیاہ کتاب دیکھ کر کل کا واقعہ یاد آیا۔

"یہ کتاب کب ملی تھی آپ کو؟" بغیر تمہید کے اچانک سوال۔ اس لڑکی نے اطمینان سے گردن اس کی طرف موڑی۔

"دو سال پہلے۔"

"یہ کس نے آپ کے لیے خصوصاً" چھوڑی تھی؟"

"سے کوئی۔" وہ ذرا سا مسکرائی، معنی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

"آپ کو اچھا لگتا ہے وہ؟" اس نے غور سے اس کو دیکھا۔

"بہت زیادہ۔"

"آپ اسے کیسے جانتی تھیں؟ میرا مطلب ہے یہ تو صدیوں پرانی کتاب ہے۔"

"بس میں جانتی ہوں۔"

"اور یہ کتاب۔۔۔ یہ آپ کو آپ کا ماضی، حال اور مستقبل کیسے دکھاتی ہے؟"

"اس میں سب لکھا ہے، گزرے واقعات اور وہ جو میرے ساتھ پیش آنے والا ہے اور مجھے ایسے موقعہ پہ کیا کرنا ہے سب لکھا ہے۔"

محمل کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ سیاہ فام لڑکی اسے بہت عجیب باتیں بتا رہی تھی۔ جانے کیسی پراسرار بھید بھری کتاب تھی وہ۔

"آپ کو اس سے کتنا فائدہ ہوتا ہے؟"

"جتنا تمہاری سوچ سے بھی اوپر ہے۔"

"تو آپ کے تو بہت مزے ہوں گے، آپ اس کو پڑھ کر سب کچھ جان جاتی ہوں گی۔"

"ہاں، مگر اس میں کچھ عمل ہیں، پہلے وہ پرفارم کرنے ہوتے ہیں، پھر ہر چیز ویسے ہی ہوتی ہے جیسے اس میں لکھا آتا ہے۔"

"عمل؟ عملیات؟" وہ چونکی اندر کوئی الارم سا بجا۔ یہ تو کوئی سفلی علم کی ماہر بیٹھی تھی، اسے ذرا احتراز برتنا چاہیے۔

"ہاں۔" سیاہ فام لڑکی مسکرائی۔ "جو وہ عملیات کر لے، وہ اس کتاب کے ذریعے دنیا پہ راج کرتا ہے، سب لوگ اس کی مٹھی میں آجاتے ہیں، اور ہر شے اس کے لیے تسخیر ہو جاتی ہے۔ صرف میں نہیں، اگر تم بھی اس کتاب کا خاص علم سیکھو تو تمہیں اس کے الفاظ میں اپنا ماضی حال اور مستقبل نظر آنے لگے گا۔"

"اور۔۔۔ اور اس کے بعد؟" وہ سحر زدہ سی سوال پہ

www.pkdigest.com

سوال کیے جارہی تھی۔

"اس کے بعد تم اس کتاب کو چھوڑ نہیں سکتیں، تمہیں اپنی زندگی اس سے باندھ کر ہی گزارنی ہوگی۔"

"اور اگر میں اسے چھوڑ دوں تو؟"

"تو تم تباہ ہو جاؤ گی، تمہاری ہر چیز، ہر محبت، سب تباہ ہو جائے گا۔ اس کو لے کر تم چھوڑ نہیں سکتیں۔ یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔"

محمل گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میری بس....."

اسی پل بس قریب آتی نظر آئی، وہ دوڑ کر بس کی طرف جانے لگی۔

"تم ایک دن ضرور آؤ گی میرے پاس۔" سیاہ فام لڑکی مسکرائی تھی۔ "تم ایک دن ضرور گڑگڑا کر یہ کتاب مانگنے آؤ گی۔ میں جانتی ہوں، تم لوگوں کی ستائی ہوئی ہو، تمہارا دل زخمی اور ہاتھ خالی ہیں اور جس دن یہ دل پوری طرح ٹوٹ جائے گا، میں تمہیں یہ کتاب دے دوں گی۔ جاؤ تمہاری بس آگئی ہے۔"

وہ خوف زدہ سی بس کی طرف لپکی تھی۔ آج راڈ پکڑ کر اندر چڑھتے اسے پیچھے دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ جانے کیا معمہ تھا۔

☼ ☼ ☼

شام کو اس نے بہت محنت سے چاکلیٹ سوفلے بنایا اور جب وہ خوب ٹھنڈا ہو گیا تو ٹرے میں سجا کر اوپر سیڑھیاں چڑھنے لگی، ابھی دوسری سیڑھی پہ ہی تھی کہ آرزو نیچے آتی دکھائی دی۔

"یہ کس کے لیے ہے؟" وہ ماتھے پہ بل ڈالے لمحے بھر کو رکی۔ "فادی کے لیے ہے؟"

"جی، انہوں نے کل کہا تو تھا، میرے پاس ٹائم کہاں تھا، آج بھی کسی کو یاد نہ آیا تو بنا ہی دیا۔" اس نے بے نیازی سے شانے جھٹکے۔ وہ دوسری سیڑھی پہ ٹرے اٹھائے کھڑی منتظر تھی کہ آرزو نیچے اترے اور وہ اوپر جا سکے۔

"اور ڈنر کی تیاری کر لی تم نے؟" آرزو زینے سے اتر کر اس کے بالکل سامنے آکھڑی ہوئی۔

"اماں بنا رہی ہیں۔"

"قورمہ بنا لیا ہے؟ ممی نے کہا بھی تھا۔ تم نے چیک کیا؟"

"آپ سیدھے سیدھے کہہ دیں کہ میں چلی جاؤں اور آپ یہ ٹرے فواد بھائی کو دے کر اپنے نمبر بنا لیں تو لیں پکڑیں۔" اس نے ٹرے زور سے اسے تھمائی۔ "مجھے اور بھی کام کرنے ہیں۔" اور کھٹ کھٹ سیڑھیاں اتر کر کچن کی طرف چلی گئی۔

"بدتمیز۔" وہ بڑبڑائی۔

مگر محمل کو معلوم تھا کہ اس کی بلند آواز فواد سن چکا ہوگا اور اب آرزو جو چاہے کر لے، وہ جانتا تھا کہ کام کس نے کیا تھا اور نمبر کون بنانا چاہ رہا تھا۔

اور پھر یہی ہوا۔

رات کھانے پہ جب مسرت نے چاکلیٹ سوفلے لا کر رکھا تو فواد نے سب سے پہلے ڈالا۔

"یہ تم نے بنایا ہے محمل؟"

"جی۔" وہ سادگی سے بولی۔

آرزو نے ناگواری سے پہلو بدلا۔

"بہت ٹیسٹی ہے، تم ہی روز میٹھا کیوں نہیں بناتیں؟"

"اتنی فارغ نہیں ہوں میں، سو کام ہوتے ہیں مجھے، ایگزام ہو رہے ہیں، میرے دل کرے گا تو بنا دیا کروں گی ورنہ سب جانتے ہیں، محمل سے یہ جی حضوریاں نہیں ہوتیں۔ اماں ایک پھلکا مجھے اٹھا دیں۔" وہ مصروف سی اماں کے ہاتھ سے پھلکا لینے لگی، جیسے اسے فواد کے تاثرات کی پروا ہی نہ ہوتی۔

وہ تائیداً سر ہلا کر سوفلے کھانے لگا مگر بار بار نگاہ بھٹک کر اس کے مومی چہرے پہ جا ٹکتی تھی، جو بہت مگن سی ابھی تک کھانا ہی کھا رہی تھی، سوفلے کو اس نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کچن میں کھڑی سنک کے سامنے دوپہر کے جھوٹے برتن دھو رہی تھی جب سامنے بڑی سی کھڑکی

کے پار آسمان پہ سرمئی بادل اکٹھے ہونے لگے۔ وہ ابھی تک اسفنج پلیٹوں پہ مارتے ہوئے اس سیاہ فام لڑکی کے متعلق سوچے جا رہی تھی، جس سے وہ گزشتہ کچھ دنوں سے احتراز برت رہی تھی، عین بس کے ٹائم پہ اسٹاپ پہ جاتی اور بنچ پہ بیٹھنے کی بجائے ذرا فاصلے پہ کھڑی ہو جاتی، نہ تو دانستہ اس لڑکی کو دیکھتی اور نہ ہی قریب جاتی، معلوم نہیں کیوں اسے اس سے اور اس کی سیاہ جلد والی کتاب سے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

بادل ذرا گرجے تو وہ چونکی۔ نیلگوں سنہری شام پہ ذرا سی دیر میں چھایا ہو گئی تھی، بجلی چمکی اور یکایک موٹی موٹی بوندیں گرنے لگیں۔

محمل نے جلدی جلدی آخری برتن دھو کر ریک میں سجائے، ہاتھ دھوئے اور باہر لان کی طرف بھاگی۔ بارش دیکھ کر اس کا دل یونہی مچل جایا کرتا تھا۔

"محمل! جاؤ مسرت سے کہو، بلکہ....." تائی مہتاب جو برآمدے میں کرسی پہ بیٹھی لڑکیوں سے گپ شپ میں مصروف تھیں، اسے آتے دیکھ کر حکم صادر کرتے کرتے رکیں، اس کے چہرے پہ بارش میں کھیلنے کا شوق رقم تھا۔ تائی نے لمحے بھر کو سوچا اور پھر حکم میں ترمیم کر دی۔ "بلکہ جاؤ، پکوڑے بنا کر لاؤ، ساتھ میں دھنیے کی چٹنی بھی ہو اور معاذ، معیز کے لیے آلو کے چپس فرائی کر لو۔"

اس کے چہرے پہ پھیلا اشتیاق پھیکا پڑ گیا۔ اس نے قدرے بے بسی سے ان کو دیکھا۔

"مگر تائی! ابھی کیسے؟ وہ بارش..... بعد میں کر دوں گی۔" وہ منمنائی۔

"ہاں تو بارش کے لیے ہی تو کہہ رہی ہوں۔ جاؤ شاباش، جلدی کرو اور ندا! یہ سوٹ پھر تمہیں کتنے کا پڑا تھا؟" وہ ندا کے دوپٹے کو انگلیوں میں مسل کر ستائشی انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

"صرف ڈیڑھ ہزار کا تائی! میں کل ہی آپ کو بھی لے چلتی ہوں، وہاں بہت اچھے پرنٹس آئے ہوئے تھے، آپ کا کمپلیکشن تو ویسے بھی بہت فیئر ہے، آپ پہ تو ہر رنگ ہی کھل جاتا ہے۔"

وہ آپس میں مصروف ہو گئی تھیں۔ محمل پیر پٹختی اندر آئی۔

آلو چھیل کر کاٹے، بیسن گھول کر رکھا تو تب تائی مہتاب نے آواز لگائی۔ "مکس پکوڑے بنانا، فواد کو پیازوں والے پکوڑے بہت پسند ہیں۔"

"بھاڑ میں گئی اس کی پسند۔" اس نے زور سے چھری سلیب پہ پٹخی۔ آلو قتلوں میں کاٹے تھے، اب پھر سے ان کو چھوٹا کرنا پڑے گا۔ مرچیں، پیاز بھی کاٹنے پڑیں گے۔

شدت بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ آج اماں بیمار تھیں، صبح سے بخار تھا سو اگر وہ نہ کرتی تو مسرت کو بیماری میں اٹھ کر کرنا پڑتا۔ وہ ناں بھی نہیں کر سکتی تھی۔

پیاز کاٹتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو نکلتے گالوں پہ پھسل رہے تھے۔ تب ہی فواد ماں کو پکارتا کچن کے کھلے دروازے پہ ٹھٹک کر رکا۔

کھلی جینز پہ لمبا کرتا اور گردن کے گرد مفلر کی طرح دوپٹہ لپیٹے، بھوری اونچی ٹیل باندھے وہ سر جھکائے کھڑی کٹنگ بورڈ پہ ٹھک ٹھک پیاز کاٹ رہی تھی۔ آنسو گالوں پہ چمک رہے تھے۔

"محمل!" وہ بے چین سا قریب چلا آیا۔ "کیا ہوا، تم رو کیوں رہی ہو؟"

"میری مرضی آپ لوگوں کو کیا، آپ لوگوں کو تو اپنے کھانوں سے غرض ہوتی ہے۔" فواد کے دل میں جگہ بنانے کے سارے ارادے بھلا کر وہ تڑخ کر بولی۔

"پھر بھی، کسی نے کچھ کہا ہے؟"

"یہاں کہتا کوئی نہیں ہے، سب حکم صادر کرتے ہیں۔" اس نے چھری والے ہاتھ کی پشت سے گال صاف کیا۔ "اور مجھ سے ابھی کوئی بات نہ کریں، میں بہت غصے میں ہوں یا تو چھری مار دوں گی یا پکوڑوں میں زہر ملا دوں گی۔"

"اچھا۔" وہ پتہ نہیں کیوں ہنس دیا تھا۔

وہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔

www.pkdigest.com

"آپ کیوں ہنسے؟"

"کچھ نہیں، خیر، بناؤ پکوڑے اور مکس والے بنانا۔" وہ اپنی پسند بتا کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

اس کے آنسو پھر سے بہنے لگے۔ جانے کس بھول پن میں وہ یہ سوچ بیٹھی تھی کہ اگر وہ اس کی مٹھی میں آ گیا تو..... اس نے نفی میں سر جھٹکا۔ وہ سب ایک جیسے تھے، بے حس، خود غرض، مطلبی۔

اور جب تک پکوڑے بنے، بارش ہلکی ہو چکی تھی۔ وہ سب لڑکے لڑکیاں برآمدے میں بیٹھے دو منٹ میں ہی پکوڑے چٹ کر گئے تھے اور اب حسن سب کو لانگ ڈرائیو پہ لے جانے کا پلان بنا رہا تھا۔

"تم لوگ بھی کیا یاد کرو گے، کس سخی سے پالا پڑا تھا۔" وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا فرضی کالر جھاڑ کر کہہ رہا تھا۔

حسن فضہ چچی کا بیٹا اور ندا، سامیہ کا بھائی تھا۔ شکل میں ندا سے مشابہہ تھا، بڑی بڑی پرکشش آنکھیں اور سانولی رنگت۔ البتہ عادتوں میں وہ قدرے مختلف تھا۔ اس نے فضہ کی میٹھی زبان تو مستعار لی تھی، مگر کڑوا دل نہیں لیا تھا۔ وہ گھر کا واحد فرد تھا جو دل کا بھی اچھا تھا، نرم گو، صاف دل اور ہینڈسم۔

ابھی بھی وہ آفس سے آیا تھا اور کوٹ کرسی کے پیچھے ٹکائے آستینیں فولڈ کیے بیٹھا وہ تھکن کے باوجود سب کو آؤٹنگ پہ لے کر جانے کی دعوت دے رہا تھا۔

"کون کون چلے گا؟" سامیہ بلند آواز میں پوچھنے لگی تو محمل بھی دل میں مچلتی خواہش کے باعث قریب آ گئی۔

"میں بھی چلوں گی۔"

سب نے رک کر اسے دیکھا تھا۔

کندھے پہ پرس لٹکائے، بالوں کو ایک اسٹائل سے بینڈ میں جکڑتی آرزو نے، جو اندر سے باہر آ رہی تھی، قدرے ناگواری سے اسے دیکھا۔ "ان کو بھی یہ شوق ستانے لگے ہیں؟" اور پھر سب ہی ساتھ ساتھ بولنے لگے۔

"تمہاری جگہ نہیں بنے گی۔"

"ہم پاپا کی ہائی ایس لے کر جا ر
سیٹیں پوری ہیں۔"

"تم باہر جا کر کیا کرو گی؟" سد
مہتاب تائی کی فوٹو کاپی۔

"بیٹا جان! آپ کے تو ایگزام ہو
چچی بہت فکر مندی اور پیار سے ا
"خوب دل لگا کر پڑھو، آپ نے بہت
ہیں، جاؤ شاباش، کورس کم از کم دو د
ابھی شروع کرو گی تو رات تک پورا
تائی مہتاب نے فضہ چچی کی
انتظار کیا اور پھر تیزی سے بولیں۔

"ناں تم نے باہر کیا کرنا ہے
بنائے گا؟ ہاں الگ ڈرامے کر کے
پوچھنے والا ہے ان کو۔ بس مفت
جاتے ہیں۔"

فواد نے لمحے بھر کو کچھ کہنا چا
حسن جو خاموشی سے ساری کار ر
کہہ اٹھا۔

"کوئی محمل سے بھی تو پوچھے
"ہاں اب ہم اس سے پوچھ
بولیں۔ حسن لمحے بھر کو بالکل چپ
بیٹے کے جھاڑے جانے پہ واضح
"جاؤ تم اندر جاؤ۔" بس ا
مہتاب سے مقابلہ کرنا ان کے
وہ پیر پٹختی بھاگ کر کچن میں
جھکائے پھوٹ پھوٹ کر رونے
کافی دیر بعد روتے روتے
ڈرائیو وے پہ باہر نکلتی ہائی ایس
اس میں ایک دو لوگوں کی
تھی۔

بے اختیار اس کا دل
میں زہر ملا دے اور کاش ک

☆

ساری رات وہ دقت

www.pkdigest.com

کر لیا تھا کہ وہ آئندہ اس سیاہ فام لڑکی کے قریب بھی نہیں جائے گی۔ بنچ پہ بیٹھے گی' نہ ہی اس سے بات کرے گی۔ اسے ڈر تھا کہ اگر ایک دفعہ پھر اس نے اس کی آفر سن لی تو شاید وہ اسے قبول کر کے کسی ایسے گم نام راستے پہ نکل پڑے جہاں سے واپسی کا سفر ناممکن ہو۔

☼ ☼ ☼

اس روز سدرہ کے رشتے کے سلسلے میں کچھ لوگ آ رہے تھے۔ یہ خبر مسرت نے اسے تب دی جب وہ گھر بھر کی صفائیاں اور لڑکیوں کی پھرتیاں دیکھ کر حیران سی ماں کی طرف آئی تھی' ورنہ پہلے تو جب بھی سہ پہر میں لاؤنج کا دروازہ آہستہ سے کھول کر آتی تو گھر میں سناٹا اور ویرانی چھائی ہوتی تھی اور آج.....

لمبی سی سامیہ بانس کے جھاڑو سے چھت کے جالے صاف کر رہی تھی' سدرہ ڈرائنگ روم کی ڈیکوریشن کو از سر نو ترتیب دے رہی تھی۔ نداماں کے سر پہ کھڑی لان کی صفائی ستھرائی میں مشغول تھی تو مہرین مہتاب تائی سے سر ہلاتے کوئی ہدایت سن رہی تھی۔ ایک آرزو ہی تھی جو ٹیرس پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی' کانوں پہ واک مین لگائے کسی میگزین کے ورق الٹ رہی تھی۔ بے پروا' بے نیاز اور مغرور شکر کہ وہ خوب صورت نہ تھی ورنہ شاید وہ آسمان سے نیچے نہ اترتی۔

"رشتہ سدرہ کا ہے اور یہ خود غرض خاندان سارے کا سارا لگا ہوا ہے' مطلب؟"

"اونہہ آہستہ بولو۔" مسرت نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا' پھر آہستہ سے بتانے لگیں۔ "دراصل بھابھی بیگم کا محض اندازہ ہے کہ رشتہ سدرہ کا ہی ہوگا۔ نعمان بھائی کی بیگم نے خصوصاً کسی کا نام نہیں لیا' سو فضہ کو شاید کچھ امید ہو۔"

"نعمان بھائی کی بیگم کون؟"

"تمہارے ابا کی دور کی رشتہ دار ہیں' ان کا بیٹا فرقان ایرونا ٹیکل انجینئر ہے' بہت اچھا گھرانہ ہے اور ایک بیٹی ہے شادی شدہ' آسٹریلیا میں رہتی ہے۔ بیگم نعمان نے کسی کے ذریعے کہلوایا ہے۔"

"اور یہ ساری لڑکیاں اس امید پہ لگی ہوئی ہیں کہ شاید وہ ان کا رشتہ مانگ لیں۔ واٹ ربش!" وہ تمسخرانہ ہنس کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

شام میں مسرت نے اسے کچن میں مدد کے لیے بلوا لیا تھا۔

"اچار گوشت' بریانی' سیخ کباب' فرائیڈ مچھلی اور کتنا کچھ کریں گی آپ؟" وہ برتنوں کے ڈھکنے اٹھا اٹھا کر جھانکتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"یہ سب تو تیار ہے' تم میٹھے میں دو چیزیں' اور رشین سلاد بنا دو' اور چائے کے ساتھ اسنیکس بھی۔"

"چائے بھی اور کھانا بھی؟" وہ کمر پہ ہاتھ رکھے حیرت سے بولی۔ "اتنا کچھ کس لیے؟ کیا اتنا رشتوں کا کال تھا سدرہ باجی کے لیے؟"

"اونہہ' آہستہ بولو۔"

"میں کسی سے ڈرتی تھوڑی ہوں؟ ابھی جا کر منہ پہ بھی کہہ سکتی ہوں۔"

"اور تمہارے اس کہنے پہ باتیں تو مجھے سننی پڑتی ہیں محمل!" وہ تھکن سے آزردہ سی بولیں تو وہ خاموش سی ہو گئی' پھر دوپٹہ کی گرہ کس کر کام میں جت گئی۔

چائے کی ٹرالی اس نے بہت اہتمام اور محنت سے سجائی تھی۔ اس وقت بھی وہ پنجوں کے بل بیٹھی ٹرالی کے نچلے حصے میں پلیٹیں سیٹ کر رہی تھی' جب مہتاب تائی کچھ کہتی ہوئیں کچن میں داخل ہوئیں۔ سدرہ ان کے پیچھے تھی۔

"سب تیار ہے؟"

"جی۔" اس نے بیٹھے بیٹھے گردن اٹھائی۔ مہتاب تائی قدرے عجلت میں نظر آ رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے' سدرہ! تم یہ لے جاؤ اور مٹھائی کدھر ہے؟ میرا خیال ہے چائے کے بعد ہی بات پکی کر دیتے ہیں' مٹھائی تب تک سیٹ کر لینا۔"

"وہ تو رشتہ مانگنے آئی ہیں تائی! بات اتنی جلدی پکی کر دیں گی؟" وہ حیران سی ہاتھ جھاڑتی کھڑی ہوئی اور

تائی بھی کسی اور موڈ میں تھیں' سو بتانے لگیں۔

"ہاں تو اب مزید کیا انتظار' لڑکا اتنا اچھا اور خوش شکل ہے' پھر ہمارے پاس کوئی کمی تھوڑی ہے۔ منگنی آرام سے مہینے دو تک کریں گے اور شادی سال ڈیڑھ تک۔ ایسی دھوم دھام سے شادی کروں گی سدرہ کی کہ زمانہ دیکھے گا۔" ان کے انداز سے تکبر کی بو آتی تھی۔

ایک لمحے کو محمل کا دل چاہا' نفیس سی وہ خاتون جو ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہیں' وہ سدرہ کو ناپسند کر کے چلی جائیں اور تائی صدمے سے بیمار ہی پڑ جائیں۔ آخر خود پہ غاصب لوگ کسے اچھے لگتے ہیں؟ مگر شاید ادھر تو سارے پلان بن چکے تھے۔

سدرہ نازک ہیل کی ٹک ٹک کرتی ٹرالی دھکیلتی لے گئی اور وہ خالی کچن میں خاموشی سے کرسی پہ بیٹھ گئی۔ مسرت بھی مہمانوں کے پاس تھیں' جانے کیسے تائی کو ان کے گھر کا فرد ہونے کا خیال آیا تھا اور ان کو وہیں بٹھا لیا تھا۔

"ٹشو..... محمل ٹشو!" ناعمہ چچی نے زور کی آواز لگائی تو وہ تیزی سے اٹھی۔

"ٹشو رکھنا بھول گئی تھی؟ اف....." وہ ٹشو کا ڈبہ اٹھا کر بھاگی' بس لاؤنج میں لمحے بھر کو رک کر بڑے آئینے میں خود کو دیکھا۔

اونچی پونی ٹیل' سیاہ جینز پہ لمبا سفید کرتا اور گردن کے گرد مخصوص انداز میں لپٹا ایک ٹائی اینڈ ڈائی دوپٹہ جسے وہ بہت سے جوڑوں کے ساتھ چلاتی تھی۔ یہ غالباً پچھلی سے پچھلی بقر عید پہ بنوایا گیا جوڑا تھا جو اب تک خاصا گھس چکا تھا۔

"خیر' کون سا میرے رشتے کے لیے آئے ہیں۔" وہ شانے اچکا کر ڈرائنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔

نفیس اور باوقار سی بیگم نعمان بڑے صوفے پہ تکلف سے بیٹھیں مسکراتے ہوئے تائی مہتاب کی بات سن رہی تھیں۔ اسے آتے دیکھ کر قدرے خوش دلی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"محمل بیٹا! آپ اب آئی ہو' کب سے پوچھ رہی تھی تمہاری تائی سے۔" وہ ایک دم گڑبڑا سی گئی' لیکن سنبھل کر آگے بڑھ کر ملی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام' اتنی دیر سے پوچھ رہی تھی تمہارا۔"

"وہ میں....."

"ہاں آئی نو بیٹا! تم اس اہتمام میں لگی ہوئی ہو گی۔ مجھے یاد ہے جب میں کریم بھائی کی عیادت کے لیے آئی تھی تو اس اکیلی بچی نے سارا کھانا بنایا تھا۔" وہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر پیار سے دیکھتے' دو برس پرانی بات کر رہی تھیں۔

وہ گھبرا کر کبھی تائی کے تنے نقوش کو دیکھتی تو کبھی سدرہ کی متغیر ہوتی رنگت کو۔ وہ تو بس ٹشو دینے آئی تھی' پھر اتنا استقبال چہ معنی دارد۔

"آپ یہ ڈرم اسٹکس لیں نا بھابھی! یہ....." تائی نے ان کی توجہ بٹانی چاہی۔

"ارے یہ تو میری فیورٹ ہے' محمل! تم نے بنائی ہیں نا! مجھے یاد ہے تم نے اس دفعہ بھی کھانے میں یہ بنائی تھیں اور فری (بیٹی) اسپیشلی تم سے ریسپی پوچھ کر گئی تھی۔"

اور اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے' بے بسی و بے چارگی سے وہ بمشکل سر ہلا پا رہی تھی۔ ادھر تائی مہتاب اب پریشان ہو رہی تھیں۔ یہی تو ہمیشہ سے ہوتا چلا آ رہا تھا' سدرہ کے رشتے کے لیے آنے والی ہر مہمان کو وہ محمل اور مسرت کی بنائی گئی چیزیں "یہ میری سدرہ نے بنائی ہیں" کہہ کر پیش کرتی تھیں' مگر جانے کب وہ خاتون ان کے گھر کی ساری سن گن لے گئی تھیں۔

"بس بھابھی! بچیاں ماشاء اللہ سب ہی سگھڑ ہیں ہمارے گھر میں۔" فضہ چچی نے بظاہر مسکرا کر بات سنبھالی مگر قدرے بے چین وہ بھی تھیں۔ کہیں کچھ بہت غلط تھا۔

"جی مگر یہ سب تو سدرہ نے بنایا ہے۔ بے چاری صبح سے لگی ہوئی تھی۔" مسرت نے جلدی سے کہا۔

"جی جی۔" تائی مہتاب نے فوراً تائید کی۔

www.pkdigest.com

"ویری گڈ سدرہ۔" بیگم نعمان اب باکس پیٹیز لے رہی تھیں۔ "یہ باکس پیٹیز تو بہت اچھی بنائی ہے۔ سدرہ! اس کی فلنگ میں کیا کیا ڈالا ہے؟"

اور سدرہ کے تو فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ باکس پیٹیز میں ڈلنا کیا کیا ہے۔ وہ ایک دم کنفیوز سی ماں کی شکل دیکھنے لگی۔

"دراصل میں کوکنگ کا بہت شوق رکھتی ہوں اور میرے بچوں کا ٹیسٹ بھی بہت اعلا ہے' نعمان صاحب خود مفرد اور اچھے کھانوں کے رسیا ہیں۔ اس لیے ہمیشہ کہتے ہیں کہ بہو ڈھونڈنا تو اس کے ہاتھ کا ذائقہ چکھ کر ہی رشتہ مانگنا۔ ویسے تو آپ کی ساری بچیاں ہی ماشاء اللہ بہت خوب صورت اور سلیقہ مند ہیں مگر محمل تو مجھے خاص طور پہ عزیز ہے۔ سعیدہ آپا نے ذکر تو کیا ہوگا کہ میں کسی خاص مقصد کے لیے آ رہی ہوں تو اب لمبی چوڑی کیا تمہید باندھوں مہتاب آپا' فرقان تو آپ کا دیکھا بھالا ہے' اللہ کا شکر ہے' اس نے ہر طرح سے نوازا ہے ہمیں۔ بس محمل کے لیے میں آپ لوگوں کے پاس سوال کرنے آئی ہوں' اگر ہو سکے تو اسے میری بیٹی بنا دیں۔"

اور مہتاب آنٹی سے مزید سنناد شوار ہو رہا تھا۔

"محمل! تم اندر جاؤ۔" انہوں نے خود کو بمشکل نارمل رکھتے ہوئے اشارہ کیا تو وہ جو حق دق بیٹھی سن رہی تھی' تیزی سے باہر نکل گئی۔

پیچھے کیا باتیں ہوئیں' کس نے کیا کہا' کب ان خاتون کو کھانا کھلائے بغیر رخصت کر دیا گیا اور آنٹی کے بند کمرے میں سارے بڑوں کی کیا گفتگو ہوئی' وہ ہر شے سے دور اپنے کمرے میں کان لپیٹے پڑی رہی۔

اس کا دل کچھ بھی کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ عجیب سی کیفیت تھی' جیسے بند غار میں روشنی اور ہوا کا کوئی روزن کھل گیا ہو۔ بے کیف اور روکھی پھیکی زندگی میں ایک دم ہی بہت خوشگوار اور سرسبز سا موڑ آیا تھا۔ امیدیں پھر سے زندہ ہو گئی تھیں اور اسے لگ رہا تھا کہ ایک نئی زندگی بانہیں پھیلائے اس کے استقبال میں کھڑی ہے۔

"ارے ونا نکل انجینئر خوش شکل فرقان ماں باپ کا اکلوتا بیٹا اچھے کھاتوں کا شوقین۔"

اس کے لب آپ ہی آپ مسکرانے لگے تھے۔

☆ ☆ ☆

"انہوں نے سدرہ کی جگہ میرا رشتہ مانگا' کین یو بلیو اٹ؟ میں تو اتنی شاکڈ ہو گئی تھی' اوہ گاڈ! بٹ اٹس اچھا پروپوزل ہے' وہ آنٹی اتنی لونگ اور سویٹ تھیں کہ میں تمہیں کیا بتاؤں اور پتہ ہے ان کا بیٹا ایرونا نکل انجینئر ہے اور تم میری بات سن رہی ہو یا نہیں۔" اس نے فائل میں طشتے ترتیب سے لگاتی نادیہ کا کندھا ہلایا تو وہ۔

"ہاں ہاں بتاؤ نا' پھر کیا ہوا؟" کہہ کر پھر سے صفحوں کی ترتیب ٹھیک کرنے لگی۔

"ہونا کیا تھا تائی امی کی تو شکل دیکھنے والی ہو گئی تھی۔"

"اچھا!" نادیہ اب انگلش کی کتاب کے ورق الٹاتی کچھ تلاش کر رہی تھی۔ وہ دونوں کالج کے برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھی تھیں' محمل اسے کل کی ساری روداد سنا رہی تھی۔

"تائی نے تو مجھے فوراً" وہاں سے بھیج دیا' بے چاری! ہر چیز سدرہ کی بنائی کہہ کر پیش کر رہی تھیں مگر وہ آنٹی بھی بہت تیز تھیں' ایسے پرچے اڑائے کہ تائی کئی دن تک یاد... تم میری بات نہیں سن رہی نادیہ!" اس نے خفا سی ہو کر منہ موڑ لیا۔

"نہیں' نہیں سن رہی ہوں نا!" نادیہ نے بوکھلا کر فائل ایک طرف سیڑھی پہ رکھی' مگر وہ منہ موڑے بیٹھی رہی۔

"اچھا بتاؤ نا تو وہ صاحب میکینکل انجینئر ہیں۔"

"میں دو گھنٹے سے بک بک کر تھک گئی ہوں کہ وہ ایرونا نکل انجینئر ہے' تم اگر سن لیتیں تو یہ سوال نہ کرتی۔ تم اپنی فائل جوڑو' میں جا رہی ہوں۔" وہ بیگ اٹھا کر کھڑی ہوئی تو نادیہ بھی ساتھ ہی اٹھی۔

"ارے ناراض تو نہ ہو۔"

"نہیں یار! میں بالکل ناراض نہیں ہوں۔ مجھے یاد آیا' مجھے ابھی میڈم مصباح سے ملنا تھا' ایک کام کے لیے' میں ذرا تھوڑی دیر تک آتی ہوں۔" محمل نے بظاہر مسکرا کر کہا اور مڑ کر چل دی۔ جب وہ تیز تیز سر جھکائے چلتی تھی تو اونچی پونی ٹیل ساتھ ہی ادھر ادھر جھولتی بہت اچھی لگتی تھی۔

چند قدم دور اس نے ذرا سا مڑ کر دیکھا' نادیہ بہت آرام اور اطمینان سے بیٹھی اپنی فائل میں کچھ لکھ رہی تھی۔ وہ تاسف سے واپس آگے کو چلنے لگی۔ کتنی جلدی نادیہ' اس کی سو کالڈ بیسٹ فرینڈ نے اس کی پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہے گئے آخری جملے پہ یقین کر لیا تھا' جیسے وہ واقعی ناراض نہیں ہے' حالانکہ وہ تھی گھر میں اہل تھیں' تو کالج میں نادیہ جن سے وہ دل کی بات شیئر کر لیتی تھی' مگر وہ دونوں بے توجہی سے کبھی تو سنتا ہی نہیں۔

"اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے۔" وہ سامنے والے برآمدے کے ایک تنہا ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور اداسی سے سامنے لان کے سبزے کو دیکھنے لگی۔ خزاں اور پھیکی صبح ہر سو گھری تھی۔ گھاس پہ ٹولیوں کی صورت میں سفید یونیفارم میں ملبوس لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ کوئی کھانے پینے میں تو کوئی گپ شپ میں مصروف تھی' سب کی اپنی اپنی دنیا تھی اور وہ ان میں مگن تھیں۔

"کیا یہی زندگی ہوتی ہے یا کیا اس کی زندگی کی ہی مشکل زندگی کسی اور کی نہ تھی؟" اس نے آزردگی سے سوچا تھا۔

"کیا مجھے کبھی وہ خوشیاں نہیں ملیں گی جو میں چاہتی ہوں؟ بڑا سا گھر' بے تحاشا دولت' طاقت' اثر و رسوخ' محبت کرنے والا لائف پارٹنر... کیا یہ سب میرے قدموں میں ایک ساتھ ڈھیر ہو سکتا ہے؟" اس نے ستون سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ بند پلکوں پہ سنہرے خواب اترنے لگے تھے۔

"وہ ایرونا نکل انجینئر یا خود میں ان میں سے کسی کی بھی بیوی بن جاؤں تو سب کچھ میرا ہو سکتا ہے۔ سب کچھ میرے قدموں میں ڈھیر ہو سکتا ہے۔ بلند ہر چیز کی بلندی۔"

"جو وہ عملیات کر لیتا ہے' وہ دنیا پہ راج کرتا ہے۔"

"کچھ ایسا ہو کہ تمہیں تنگ کرنے والے لوگ تمہارے آگے پیچھے پھرنے لگیں' ہاں دولت تم پہ نچھاور ہو' تمہارا محبوب تمہارے قدموں میں آ کر گرے۔"

"اور اگر میں ایسا کچھ تمہیں دے دوں تو...؟"

اس نے جھٹکے سے آنکھیں کھولیں۔ ایک دم سے ہی وہ ساری باتیں اور اس سیاہ فام لڑکی کی سیاہ چمکیلی آنکھیں اسے یاد آئی تھیں۔

"تم سب کو اپنی مٹھی میں کر کے دنیا پہ راج کرو' کیا تمہیں نہیں چاہیں؟"

اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ یوں لگتا تھا وہ لڑکی اپنی بھید بھری آواز میں اس کے پاس سے ہی بول رہی ہے۔

"پتہ نہیں' کیا کروں...؟" اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا' ایک لمحے کو اس نے وہ کتاب اس سے مانگنے کا سوچا مگر دوسرے ہی پل خوف کا غلبہ طاری ہو گیا۔

"نہیں نہیں... معلوم نہیں کون سا سفلی علم ہے اس کے پاس... میں ان کاموں میں نہیں پڑوں گی... آغا جان کو علم ہوا تو ٹانگیں توڑ دیں گے میری۔"

وہ خود کو سرزنش کرتی فائل اور بیگ سنبھالے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے اب اس سیاہ فام لڑکی سے کوئی بات نہیں کرنی تھی' بس! اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

البتہ دل کے کسی پچھلے خانے میں اس کتاب کو حاصل کرنے کی خواہش نے بھی بہت خاموشی سے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ان دنوں مسرت بہت خوش رہنے لگی تھیں اور وہ ان کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی۔

www.pkdigest.com

"پتہ ہے محمل! بہت اچھے لوگ ہیں یہ۔ نعمان بھائی بڑے بھلے مانس انسان ہیں' اور ان کا بیٹا تو بہت ہی خوبرو ہے۔ اللہ نے ہماری سن لی ہے' وہ ضرور ہم پہ رحم کرے گا۔"

وہ کبھی کبھی بیٹھ کر اس کو بتانے لگ جاتیں تو وہ خاموشی سے مسکراہٹ دبائے' سر جھکائے سنتی چلی جاتی۔ اب تو گھر کے کام بھی آرام سے کر دیتی' کچھ دن سے تائی کو جواب دینے بھی چھوڑ دیے تھے۔ پہلی دفعہ اس زندان سے نکلنے کی کوئی امید جو بندھی تھی۔

سدرہ البتہ اسے اٹھتے بیٹھتے بہت عجیب نظروں سے دیکھتی تھی۔ محمل پروا نہ کرتی مگر اس روز تو حد ہی ہو گئی۔ وہ شام کی چائے کی ٹرالی دھکیلتی باہر لان میں لائی تو سدرہ نے ایک دم اسے دیکھتے ہی منہ پھیر لیا۔

"شاید ابھی تک ناراض ہیں۔" اس نے سوچا اور پھر جیسے مداوا کرنے کے لیے سب سے پہلے سدرہ کا کپ بنایا۔

"سدرہ آپی! چائے۔" اور بہت شائستگی سے مسکرا کر کپ بڑھایا۔

"آپی؟ میں تمہاری آپی لگتی ہوں؟" سدرہ نے کپ لیتے لیتے زور سے پٹخ دیا۔ گرم ابلتی چائے محمل کے گھٹنے پہ گری' وہ بلبلا کر کھڑی ہوئی۔ کپ گھاس پہ جا گرا۔

"یوں لوگوں کے سامنے آپی کہہ کر تم یہ ظاہر کرتی ہو کہ میں بوڑھی ہو گئی ہوں' ہاں؟" سدرہ یک دم چلانے لگی تھی۔ "ممی..... ممی اس کو دیکھیں' یہ ہمیشہ یہی کرتی ہے۔ یہ ہمیشہ لوگوں کے سامنے مجھے بے عزت کرتی ہے۔" سدرہ نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔

"ارے ان کی تو عادت ہے' یہ ماں بیٹی تو اس گھر کی خوشی دیکھ نہیں سکتیں۔ نہ میری بیٹی' تو غم نہ کر اور اب کھڑی کیا ہو' جاؤ اپنی نحوست لے جاؤ میرے سامنے سے۔" تائی مہتاب نے بھی بہت دنوں کا غصہ ایک دم نکالا۔

وہ جو شاکڈ سی کھڑی تھی' بھاگتی ہوئی اندر آئی۔ مسرت بھی پریشان سی کچن میں کھڑی تھیں۔ انہوں نے بھی سن لیا تھا' محمل کچھ کہے بغیر اندر کمرے میں بند ہو گئی۔

اندازہ تو اسے تھا ہی کہ تائی کا موڈ اس روز سے بیگم نعمان کی باتوں پہ خراب ہے مگر وہ کچھ کہہ بھی نہ رہی تھیں۔ چپ ہی سادھ لی تھی۔ شاید اس بات پہ کہ اب وہ محمل کی ہونے والی سسرال تھی' ان سے کیا پنگا لینا۔

مگر رات میں اس کی یہ خوش فہمی بھی دور ہو گئی' جب اس نے کچن میں تائی مہتاب کو مسرت سے کہتے سنا۔

"ہم نے تو اسی روز نعمان بھائی لوگوں کو انکار کر دیا تھا' محمل کی کون سا شادی کی عمر ہے' ابھی گھر کی بڑی بیٹیاں ہیں' پہلے ان کی ہو گی' پھر ہی محمل کا سوچیں گے۔ چائے آغا صاحب کے کمرے میں پہنچا دو' وہ رات کا کھانا نہیں کھائیں گے اور ٹیبل لگا دو۔" وہ حکم صادر کر کے بے نیازی سے باہر نکل گئیں' کچن کے دروازے پہ دھواں دھواں چہرہ لیے کھڑی محمل پہ بس ایک استہزائیہ نگاہ اچھالی تھی' جبکہ اندر نڈھال سی بمشکل کھڑی مسرت کو دیکھنا بھی گوارا نہ کیا تھا' جن کے دل پہ انہوں نے الٹی برچھی پھیر دی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسے نہیں علم تھا کہ کیوں مگر وہ رات دیر تک برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھی روتی رہی تھی۔ اندر سب سو رہے تھے' مسرت بھی سونے چلی گئی تھیں' وہ پڑھائی کا بہانہ کر کے باہر آئی تھی اور دیر سے ادھر بیٹھی بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔

کچی عمر کا پہلا خواب دیکھا تھا' وہ بھی ایسے کرچی کرچی ہوا تھا کہ روح تک بلبلا اٹھی تھی۔ وہ اتنی ہرٹ ہوئی تھی کہ دل پھٹ رہا تھا' کوئی اتنا بھی ظالم ہو سکتا ہے جتنی تائی تھیں۔ جتنے یہ سب لوگ تھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا' وہ بے خبر سوتے ان لوگوں کے کمروں کو آگ لگا دے' یا چھری سے ان کی گردنیں کاٹ پھینکے۔

یا زہر دے کر سب کو مار دے اور آخر میں خود بھی پھانک لے۔ نفرت' بہت شدید نفرت محسوس ہوتی تھی اسے اپنے ان رشتہ داروں سے' اس کا دل چاہتا تھا وہ ان گھٹیا اور کمینے لوگوں سے دور چلی جائے' جہاں اسے ان کی شکل نہ دیکھنی پڑے اور واقعی' اب وہ چلی بھی جائے گی۔ اس نے سوچ لیا تھا۔ بس ایک دفعہ اسے وہ اسکالرشپ مل جائے جس کے لیے اس نے برٹش ہائی کمیشن کے اعلان کے بعد اپلائی کیا تھا کہ بھلے گھر کے جو حالات ہوں' اس نے نفتہ سے ایف ایس سی تک ہر بورڈ ایگزام میں پورے بورڈ میں ٹاپ کیا تھا۔ ایف ایس سی پری انجینئرنگ میں ٹاپ کرنے کے باوجود اس کا انجینئرنگ کی طرف رجحان نہ تھا' یا رہا نہ تھا' سو بی ایس سی نیتھس میں ایڈمیشن لے لیا تھا اور اسے امید تھی کہ اب بھی وہ ہی ٹاپ کرے گی اور اگر اسکالرشپ اسے مل جائے تو بہت آسانی سے اسے اس زندان سے چھٹکارا مل جائے گا۔

وہ آنسو ہتھیلی کی پشت سے رگڑتی اس سوچ میں غلطاں تھی کہ کوئی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ جوتے دیکھ کر چونکی اور بھیگا ہوا چہرہ اٹھایا۔

وسیم اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔

"وسیم بھائی؟" وہ کرنٹ کھا کر اٹھی اور دو قدم پیچھے ہٹی۔

وہ تائی مہتاب کا تیسرے نمبر کا بیٹا تھا۔ فہد کا چھوٹا اور ناکارہ و آوارہ بھائی۔ اس وقت بھی وہ اپنی سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔ جانے کب اچانک آ کر ادھر کھڑا ہوا تھا۔ کھلا گریبان' تنگ جینز' گردن سے لپٹی چین' بکھرے بال اور سرخ آنکھیں۔ وہ نشہ کرتا تھا گھر میں سب کو علم تھا۔ یہاں تک کہ فضہ چاچی اپنی بیٹیوں کو اس کے قریب بھی نہ جانے دیتی تھیں۔ خود حسن بھی احتیاط کرتا تھا۔ آرزو البتہ لاپروا اور نڈر تھی۔ ویسے بھی وسیم گھر میں بہت کم ہی نظر آتا تھا۔ محمل ہر ممکن احتیاط کرتی کہ اکیلے میں اس کے سامنا نہ ہو کہ اسے اس کی آنکھوں سے خوف آتا تھا۔ مگر آج جانے کیسے.....

"کیا کر رہی ہو؟" وہ ایک قدم اوپر اسٹیپ پہ چڑھا تو وہ بے اختیار مزید پیچھے ہٹی۔

"کک..... کچھ بھی نہیں۔ وہ آغا جان آواز دے رہے ہیں۔" وہ ایک دم پلٹ کر اندر بھاگ گئی۔

"ہونہہ۔" وسیم نے تمسخرانہ سر جھٹکا' چند لمحے ادھر کھڑا سوچتا رہا' پھر باہر گیٹ کی طرف چل دیا۔

☼ ☼ ☼

وہ صبح بہت بوجھل سی تھی۔ وہ بس اسٹاپ پہ بنچ پہ اکیلی بیٹھی متورم آنکھوں سے دور افق پہ جانے کیا تلاش کر رہی تھی' جہاں نیلی صبح کے پرندے اڑ رہے تھے' رات بھر کے رونے کے باعث اس کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اور اوپر سے وہ سیاہ فام لڑکی بھی نہیں آئی تھی۔

جانے آج وہ کدھر رہ گئی تھی۔ ابھی تک کیوں نہ آئی تھی۔ صرف اس لیے محمل آج پندرہ منٹ پہلے ہی آ گئی تھی' تاکہ دس کے بجائے پچیس منٹ اس کے ساتھ مل جائیں مگر یہ تو اسے معلوم بھی نہ تھا کہ وہ آئی کب تھی۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ اس کا انتظار کیوں کر رہی تھی۔ حالانکہ کوئی بات ایسی نہ تھی' جسے وہ اس کے ساتھ شیئر کر سکتی' کسی مسئلے کا حل دریافت کر سکتی یا اس کے ساتھ بیٹھ کر رو سکتی۔ نہیں' اس کے پاس بتانے کو کچھ بھی تو نہیں تھا' پھر بھی اسے اس کا انتظار تھا۔ وہ بار بار کلائی پہ بندھی رسٹ واچ دیکھتی۔ لمحے سرکتے جا رہے تھے' پچیس منٹ ختم ہونے کو تھے مگر اس سیاہ فام لڑکی کا دور دور تک کوئی اندیشہ نہ تھا۔

بس کا ہارن بجا تو وہ شکستہ قدموں سے اٹھ کر چل دی۔ سنگی بنچ خالی رہ گیا۔ صبح کے پرندے اپنے سفر کو نکل گئے اور نیلاہٹ بھرا افق سنہری کرنوں سے بھیگنے لگا۔

وہ بہت اداس سی بس میں سوار ہوئی تھی۔ سارا راستہ خاموش سی گردن موڑے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ اس کی لمبی صراحی مانند سنہری گردن' اونچی پونی

www.pkdigest.com

ٹیلر کے باعث پیچھے سے بھی جھلکتی تھی اور اسے یکسر ممتاز بنا دیتی تھی۔

بس کے رکنے سے قبل اس نے بیگ میں سے پاکٹ مرر نکال کر دیکھا اور پھر کچھ سوچ کر متورم سوجی آنکھوں کو چھپانے کو گہرا کاجل ڈال لیا۔

"محمل! تم اتنا کاجل مت ڈالا کرو۔ مائنڈ مت کرنا مگر تمہاری آنکھیں بالکل گولڈن گلر کی ہیں اور کاجل میں بالکل بلی کی طرح لگتی ہیں۔ یو نو کیٹ دو من!" نادیہ دیکھ کر ہنس کر بولی تھی "اور مجھے بلیاں بالکل پسند نہیں کھاؤ گی؟" اس نے ہاتھ میں پکڑا چپس کا پیکٹ بڑھایا۔

محمل نے ایک خاموش نگاہ اس پہ ڈالی اور "نو تھینکس" کہہ کر سر جھکائے اپنی کتاب پہ کچھ لکھنے لگی۔ سر جھکانے سے اس کی اونچی پونی ٹیل مزید اٹھ جاتی اور بھورے بال گردن پہ گرتے دکھائی دینے لگتے۔

"مائی بلیوڈ را!" نادیہ نے شانے اچکا کر پیکٹ واپس لے لیا۔

وہ خاموشی سے سر جھکائے کچھ لکھتی رہی۔ وہ لائبریری میں نادیہ کو کل مائی اماں کے جواب والی بات بتانے آئی تھی مگر اس کا طنز سن کر دل ایک دم ٹوٹ سا گیا تھا۔ بس چنکی بجاتے اس نے محمل کی خوب صورت بادامی سنہری آنکھوں کو بلی سے مشابہ قرار دے دیا تھا شاید اس لیے کہ عام سی صورت کی نادیہ جب محمل کے ساتھ چل رہی ہوتی تو بہت سے سر مڑ کر ہمیشہ ستائشی نگاہوں سے محمل کو ہی دیکھتے تھے۔ دراز قد، اسمارٹ، لمبی گردن اور اونچی براؤن پونی ٹیل والی لڑکی جس کی سنہری آنکھیں دھوپ میں اور بھی زیادہ چمکتی تھیں، پورے کالج میں پاپولر تھی۔ ایسے میں جب وہ کاجل ڈال کر مزید خوب صورت دکھتی تو نادیہ سے کبھی کبھار برداشت نہ ہوتا اور وہ کچھ ایسا ضرور کہہ دیتی جو محمل کا دل توڑ دیتا تھا۔

اب بھی وہ نادیہ، اپنی بیسٹ فرینڈ کے پاس رونے آئی تھی مگر... نادیہ کے پاس پہلے اس کے دکھ سننے کی فرصت نہ تھی، وہ مسلسل اپنے نوٹس میں مگن تھی اور جب ذرا دیر کو فارغ ہوئی تو اس کا دل کچھ ایسے توڑا کہ وہ پھر کچھ کہہ ہی نہ سکی۔

"ہاں، تم کچھ بتا رہی تھیں۔" وہ چپس کا پیکٹ کتاب کی اوٹ میں کیے مسلسل چپس نکال کر کتر رہی تھی "مائی اماں کی کوئی بات تھی شاید..."

"نہیں کوئی بات نہیں تھی۔"

"اچھا، مجھے لگا..."

"تمہیں غلط لگا۔ میں چلتی ہوں ذرا سے کچھ کام ہے۔" وہ مصروف سی کتابیں اٹھائے باہر نکل آئی۔

اگلے دو روز یونہی مضمحل سے گزرے۔ پریشانی، مایوسی، ناامیدی اور دکھ وہ ہر طرح کے منفی خیالات میں گھری ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے دنیا سے رنگ ہی ختم ہو گئے ہوں۔ سب کچھ پھیکا پھیکا سا تھا اور دل کا باغ ویران، اجڑا ہوا اور پھر اچانک تیسرے دن وہ سیاہ فام لڑکی آئی۔

اس نے دور سے اسے بنچ پہ بیٹھے دیکھا تو یکدم غصے کی ایک لہر اس کے اندر اٹھی۔ وہ تیز تیز چلتی اس کے قریب آئی۔

"تم دو دن سے کہاں تھیں؟" سیاہ فام لڑکی نے سر اٹھایا۔

وہ بہت غصے سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میرا کچھ کام تھا، میں..."

"تمہیں مزا آتا ہے دوسروں کو اپنا انتظار کروا کے؟ تمہیں لگتا ہے میں تمہاری مدد کے بغیر مر جاؤں گی، ہاں حالانکہ ایسا نہیں ہو گا۔ تم توجہ لینے کے لیے وہ باتیں کرتی ہو جس سے دوسرا تمہاری طرف کھنچا چلا آئے مگر مجھے تمہاری بالکل ضرورت نہیں ہے اور نہ مجھے تمہاری پروا ہے اور... اور مجھے تمہاری کتاب کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میں نہیں مری تمہاری مدد کے بغیر، دیکھو، دیکھ لو، میں زندہ ہوں۔" تیز تیز بولتے وہ ہانپنے لگی تھیں۔

سیاہ فام لڑکی ذرا سا مسکرائی۔

"تو تم میرا انتظار کر رہی تھیں؟"

"نہیں، ہرگز نہیں۔" وہ دو قدم پیچھے ہٹی۔ "مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"تم شاید بلند آواز میں اپنے دل کی آواز کو جھٹلا رہی ہو۔ اگر ایسا ہے تو یہ مت کرو۔ اپنے دل کی سنو وہ تمہیں کچھ کہہ رہا ہے۔"

"مجھے ڈکٹیٹ مت کرو۔ میں اپنا اچھا برا خوب سمجھتی ہوں۔ تم میرے ساتھ امید افزا باتیں کر کے اپنی کتاب مجھے بیچنا چاہتی ہو، میں خوب سمجھتی ہوں تمہارا مقصد۔ مگر یاد رکھنا، میں تم سے یہ کتاب ہرگز نہیں خریدوں گی۔"

"نہ ہی میں تمہیں یہ بیچ رہی ہوں۔ لیکن ایک دن ایسا آئے گا جب تم خود مجھ سے یہ کتاب مانگنے آؤ گی اور تب میں تمہیں فوراً یہ تھما دوں گی۔ ابھی تم سفر کے آغاز میں ہو اور جب تھکو گی تو اس کتاب کے پیچھے آؤ گی۔ مجھے تمہاری کسی بات کا برا نہیں لگا، مجھے بس تمہارے تھکنے کا انتظار ہے جاؤ، تمہاری بس آ گئی ہے۔"

اس وقت تو وہ غصے میں پلٹ گئی مگر پھر سارا دن یہی سوچتی رہی کہ اس کو اس سیاہ فام لڑکی کو دیکھ کر ہو کیا گیا تھا۔ کیوں اس نے اس پہ اتنا غصہ کیا؟ وہ کیا لگتی تھی اس کی؟ اس نے کیا بگاڑا تھا اس کا اور اسے غصہ کس بات کا تھا۔ یوں انجانے لوگوں کے ساتھ اس طرح کا سلوک تو محمل ابراہیم کبھی نہ کرتی تھی، پھر اب کیوں؟ ندامت اور شرمندگی کے احساس نے اسے پورا دن جکڑے رکھا، وہ کچن کے تمام کام بے توجہی سے نپٹاتی رہی، پڑھائی بھی ٹھیک سے نہ کر سکی پیپرز ہو رہے تھے، اب بھی اس کے پاس پڑھنے کو بہت کچھ تھا، مگر سارا دن احساس جرم اسے اندر ہی اندر کچوکے لگاتا رہا اور جب رات کو اچانک سے رضیہ پھپھو کی کار کا شور اٹھا تو وہ بہت بے دلی سے لاؤنج میں آئی تھی۔

"فائقہ! آج کل سارا وقت میرے ساتھ کچن میں گزارتی ہے، میں تو منع کرتی ہوں مگر مجال ہے جو یہ مجھے کسی کام کو ہاتھ لگانے دے۔ آج بھی پیدنگ بنا لی تھی، کہہ رہی تھی سارے ماموں شوق سے کھاتے ہیں، انہیں دے آؤں۔ میں نے کہا خود ہی دے آؤ، ماموں کے ہاں تو جانا ہے میری بچی کی اور سب ٹھیک ہے گھر میں؟ فواد کہاں ہے؟ نظر نہیں آ رہا۔" مہتاب تائی کے ہمراہ اندر داخل ہوتی رضیہ پھپھو نے بات کے اختتام تک ادھر ادھر دیکھ کر بظاہر سرسری سا پوچھا تھا۔ فواد تو نہ نظر آیا، مگر محمل پہ نگاہ پڑی تو چہرے پہ ناگواری بکھر گئی۔ شاید اس وجہ سے کہ ان کی آخری بات پہ وہ ذرا سا مستیزانہ مسکرائی تھی۔

"لڑکی کوئی کام کاج بھی کرتی ہے نہیں ہے تمہیں؟ جب دیکھو لو اٹھا کی لو اٹھا ادھر ادھر بھاگتی پھر رہی ہوتی ہو۔ میری بھابھی کا جگرا ہے جو مفت خوروں کو گھر میں ٹکا رکھا ہے ورنہ میں ہوتی تو... ہونہہ۔" نہیں اس کی کہتی بڑے صوفے پہ بیٹھیں۔ مسکراہٹ چھپا گئی تھی جیسے چوری پکڑی گئی ہو، سو بگڑ کر فائقہ بھی دونوں ہاتھوں میں بڑے پکڑے، جس پہ دو ڈونگے رکھے تھے، چلی آ رہی تھی۔ فیشن کے مطابق شارٹ شرٹ کے نیچے ٹراؤزر اور لمبے بال کھلے تھے جن میں چوٹی کے بل صاف نظر آتے تھے وہ سدا کی طرح خوب میک اپ کرتی تھی اور اس طرح شاید ذرا قابل قبول لگ جاتی مگر جو وہ گہرے مسکارے اور آئی میک اپ کے اوپر وہ بڑا سا سیاہ فریم کا چشمہ نہ لگایا کرتی۔

"یہ کدھر رکھوں ممانی جان؟" وہ رک کر ہم آواز میں پوچھ رہی تھی۔ ورنہ یہ کی فائقہ تھی جو کچھ عرصہ قبل بے ہنگم شور کیا کرتی تھی۔

"کچن میں رکھ دو۔ بلکہ محمل، تم لے جاؤ۔"

"لائیے۔" محمل آگے بڑھی تو فائقہ نے قدرے تذبذب سے اس کو دیکھا۔

"دے دیں فائقہ باجی! فواد بھائی تو ویسے بھی ابھی ہاسپٹل سے نہیں آئے۔ پھپھو پوچھ رہی تھیں ابھی ان کا۔" وہ بے نیازی سے کہہ کر ترنے کے لیے کچن میں رکھ آئی۔

"فواد ابھی تک نہیں آیا؟" پھپھو نے بے چینی سے گھڑی دیکھی۔ پھر فائقہ کو آنکھ کا اشارہ کیا۔ وہ

www.pkdigest.com

فوراً" مہتاب تائی کے بالکل مقابل صوفے پہ مؤدب سی بیٹھ گئی۔

"ہاں' کچھ کام تھا شاید اور تم ٹھیک ہو۔" تائی ریموٹ اٹھا کر چینل بدل رہی تھیں' انداز میں عجب شان بے نیازی تھی۔ جن کے فواد جیسے بیٹے ہوں' ان پہ بیٹیوں کی مائیں یونہی مکھیوں کی طرح بھنبھناتی ہیں' وہ رضیہ پھپھو کے اطوار خوب سمجھتی تھیں۔

"یہ پدنگ فائقہ باجی نے بنائی ہے پھپھو؟" وہ واپس آکر ان کے سامنے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھ گئی۔ وہی چینز' کرتا' گردن میں مفلر کی طرح لپٹا دوپٹہ اور اونچی پونی ٹیل۔ یہ اس کا مخصوص حلیہ تھا۔

"ہاں تو اور نہیں تو کیا؟"

"اچھا آپ تو اس روز اپنی ہائی سیلیبریٹی سے پدنگ بنوا رہی تھیں' وہ جب میں آپ کے گھر گئی تھی' آپ تو کہہ رہی تھیں کہ نہ آپ کو نہ ہی فائقہ باجی کو پدنگ بنانی آتی ہے۔ فائقہ باجی!" اس نے چہرہ فائقہ کی طرف موڑا "ابھی ریسنٹلی سیکھی ہے آپ نے؟"

"ہاں ہاں' میرے ساتھ آج کل سب کچھ سیکھ رہی ہے۔ بیٹھ کر مفت کی روٹیاں تو نہیں توڑتی۔" پھپھو چمک کر بولیں۔ تائی مہتاب ریموٹ پکڑے چینل بدل رہی تھیں۔ چہرے پہ البتہ واضح بے زاری چھائی تھی۔

"اور آپ نے کس سے سیکھی؟ اپنی ماسی سے؟"

"زیادہ زبان نہیں چلنے لگی تمہاری محمل! یہ تو میری بھابھی کا حوصلہ ہے کہ تمہیں برداشت کرتی ہیں ان کی جگہ میں ہوتی تو دو دن میں گھر سے نکال دیتی۔"

"ان کی جگہ آپ کیسی ہو سکتی تھیں پھپھو! دوسروں کے پیسے پہ عیش کرنا ایک آرٹ ہے' اور یہ ہر کسی کو تو نہیں آتا نا۔"

"شٹ اپ محمل!" تائی نے غصے سے ریموٹ رکھا۔ "زیادہ بک بک کی تو ٹانگیں توڑ کر رکھ دوں گی۔ ارے ہم نہ رکھتیں تو کندھر جاتی تم' ہاں؟"

"انگلینڈ۔" وہ آرام سے ٹانگ پہ ٹانگ رکھے پاؤں جھلا رہی تھی۔

"کیا مطلب؟" وہ سب چونکے۔

"میں نے اسکالرشپ کے لیے اپلائی کر دیا ہے اور بہت جلد میں تو اماں کو لے کر انگلینڈ چلی جاؤں گی' سو آپ ابھی سے ملازم ڈھونڈنا شروع کر دیں۔ آپ بیٹھیں میں ذرا کچن دیکھ لوں۔" وہ اٹھ کر کچن کی طرف چلی آئی' جانتی تھی کہ ان کے سروں پہ بم پھوڑ کر آئی ہے۔ مگر اس وقت ان سب کو ستانے کا دل کر رہا تھا۔

کھانے پہ ہی اس کی پیشی ہو گئی۔

"تم نے کون سی اسکالرشپ کے لیے اپلائی کیا ہے؟ مہتاب بتا رہی تھی' کیا بات ہے؟" آغا جان نے جیسے ایک دم یاد آنے پہ کھانے سے ہاتھ روک کر پوچھا۔

"اسکالرشپ؟" آرزو نے ابرو اٹھائی' عدا اور سامیہ باتیں کرتی ٹھٹک گئی' فضہ چچی نے حیرت سے گلاس رکھا اور فواد لقمہ منہ میں ڈالتے ہوئے بری طرح چونکا تھا۔

باقی سب بھی ایک دم رک کر اسے دیکھنے لگے' جو بہت اطمینان سے بازو بر سینہ کر رائتے کا ڈونگہ اٹھا رہی تھی۔

"جی آغا جان! برٹش ہائی کمیشن کی طرف سے کچھ اسکالر شپس اناؤنس ہوئی تھیں' ماسٹرز کے لیے' میں نے اپلائی کر دیا۔" اب وہ بڑا چمچہ بھر کر رائتہ چاولوں پہ ڈال رہی تھی۔ "امید ہے جلد ہی مل جائے گی۔ پھر میں انگلینڈ چلی جاؤں گی' سوچ رہی ہوں وہیں ساتھ ساتھ جاب وغیرہ بھی کر لوں' آخر خرچے بھی تو پورے کرنے ہوتے ہیں نا!" چمچہ چاولوں میں ہلا کر رائتہ مکس کرتے اس نے لاپروائی سے اطلاع دی اور اسے لگا تھا کہ ابھی گھر بھر میں طوفان کھڑا ہو جائے گا' مگر.....

"ہوں' ویری گڈ۔ ضرور اپلائی کرو۔" آغا جان پھر سے کھانے کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ اب کہ حیران ہونے کی باری محمل کی تھی۔ اس نے لمحے بھر کو ٹھٹک کر انہیں دیکھا اور پھر سنبھل کر بولی۔

"تھینک یو آغا جان!"

اس کے الفاظ پہ جہاں مسرت' اطمینان سے کھانے

لگیں' وہاں ٹیبل پہ بہت سے لوگوں کی خاموش معنی خیز نگاہوں کے تبادلے ہوئے تھے۔

وہ سر جھکائے چاول کھاتی رہی۔ امید تو نہ تھی کہ وہ کوئی ڈرامہ کھڑا نہ کریں گے مگر وجہ بھی فوراً سمجھ میں آگئی۔ یہ بات چل جائے تو ان سے جائیداد میں سے حصہ کون مانگنے کھڑا ہو گا؟ ان کے لیے تو اچھا ہی تھا کہ وہ چلی جائے۔

"ایسے تو نہیں چھوڑوں گی تم لوگوں کو میں' چلی بھی گئی تو ایک دن ضرور واپس آؤں گی' اور اپنا حصہ طلب کروں گی اور تم سب کو ہر اس عدالت میں گھسیٹوں گی جہاں جانے سے تم خوف کھاتے ہو۔" اس نے دل ہی دل میں تہیہ کیا تھا اور پھر جب پانی کا جگ اٹھانے کو سر اٹھایا تو یکدم چونکی۔

بے توجہی سے کھانا کھاتا فواد اسے ہی دیکھ رہا تھا' اسے سر اٹھاتا پا کر فوراً" اپنی پلیٹ پہ جھک گیا اور بعد میں پھپھو نے کتنا ہی "میری فائقہ" نے آج پدنگ بنالی ہے" کہہ کر اسے روکنا چاہا' وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے کام ہے' چلتا ہوں۔"

"ہاں بیٹا' تم کام کرو۔" مہتاب نے بھی فوراً" اس کی تائید کی تھی۔ ادھر پھپھو نے ہائیں ہائیں کرتی رہ گئیں اور وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ محمل کا دل یکدم اداس سا ہو گیا تھا۔ پتہ نہیں کیوں۔

☆ ☆ ☆

دور بیچ پہ بیٹھی سیاہ فام لڑکی کو دیکھ کر' اس کے قدموں میں تیزی آگئی۔ وہ سبک رفتاری سے چلتی بیچ کے قریب آئی۔

"گڈ مارننگ۔"

سیاہ فام لڑکی نے چونک کر سر اٹھایا اور پھر ذرا سا مسکرائی۔

"گڈ مارننگ ٹو یو ٹو۔" وہ اسی طرح کتاب کے کناروں پہ مضبوطی سے ہاتھ جمائے بیٹھی تھی۔

"میں دراصل....." محمل متذبذب سی اس کے ساتھ بیٹھی۔ "مجھے' مجھے کل کے رویے پہ بہت شرمندگی ہے۔ میں کبھی بھی اتنی روڈ نہیں ہوتی اور....."

"جانے دو۔ مجھے برا نہیں لگا۔"

"نہیں سیریسلی' آئی ایم سوری۔ ریئلی سوری۔ میں کچھ پریشان تھی۔"

"میں نے تو تمہیں تمہاری ہر پریشانی کا حل بتایا تھا۔ تم خود ہی اس طرف نہیں آنا چاہتی۔"

"نہیں وہ....." اس نے بے ساختہ نگاہیں چرائیں۔ "مجھے اس کتاب سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"مگر اس کتاب کو تم سے ہے۔ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اسے تمہارے حوالے کر دوں۔"

وہ بری طرح چونکی تھی۔ پہلی گفتگو میں بھی اس نے اسے کوئی ایسی ہی بات بتائی تھی۔

"کیسے' یہ کتاب مجھے جانتی ہے؟"

"سو فیصد جانتی ہے۔ تمہاری زندگی کی ساری کہانی اس میں لکھی ہے۔ گزرے واقعات اور آنے والے حالات۔"

"واقعی؟" وہ ششدر سی اسے دیکھ رہی تھی۔ عجب بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

"ہاں' اس میں سب لکھا ہے۔"

"تم نے..... تم نے میری زندگی کی کہانی پڑھی ہے؟"

"نہیں' میں وہ نہیں پڑھ سکتی۔"

"کیوں؟ کیا تم نے یہ کتاب پوری نہیں پڑھی؟"

"میں نے پوری پڑھ رکھی ہے مگر مجھے یہ صرف میری زندگی کی کہانی لگتی ہے' تمہاری زندگی کی کہانی صرف تمہیں ہی سمجھ آئے گی۔"

"تم کیا کہہ رہی ہو' میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" اب کے وہ واقعی پریشان ہو گئی تھی۔

"آجائے گی' ہر بات سمجھ میں آجائے گی۔ بس تھوڑا وقت لگے گا۔" وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ یہ لڑکی کون تھی' کہاں سے آئی تھی.....

www.pkdigest.com

اس کے لیے صدیوں قبل لکھوا کر چھوڑی تھی، کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔

بس کا ہارن بجا تو وہ چونکی اور پھر بغیر کچھ کہے تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

سیاہ فام لڑکی مسکراتے ہوئے اسے بس میں سوار ہوتے دیکھ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"فواد کو چائے کمرے میں دے آؤ اور محمل! تم ٹرالی باہر لے آؤ۔" تائی مہتاب اپنی ازلی بے نیازی سے حکم صادر کر کے پلٹ گئیں تو ٹرالی سیٹ کرتی محمل کسی خیال سے چونکی۔

"فواد کی ٹرے الگ سیٹ کر دو محمل! میں دے آؤں گی، تم ٹرالی باہر لے جاؤ۔"

"میں نہیں لے کر جا رہی ٹرالی۔ تنگ آ گئی ہوں میں ان ذلیل لوگوں کے سامنے۔"

"اچھا اچھا چپ کرو۔" مسرت بوکھلا کر آگے بڑھیں اور ٹرالی کا کنارہ تھام لیا "میں لے جاتی ہوں، تم فواد کو چائے دے آؤ۔"

اور یہی تو وہ چاہتی تھی، سو شانے اچکا کر بظاہر لاپروائی سے فواد کی ٹرے سیٹ کی اور پھر اسے اٹھا کر دھپ دھپ سیڑھیاں چڑھتی گئی۔

"فواد بھائی!" دروازے پہ ہلکا سا ناک کیا۔

"ہوں، آ جاؤ۔"

اس نے دروازہ دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

فواد بازو آنکھوں پہ رکھے بیڈ پہ نیم دراز تھا۔

"فواد بھائی! آپ کی چائے۔"

"ہاں رکھ دو۔" وہ کسل مندی سے اٹھا۔ انداز سے تھکا تھکا لگ رہا تھا۔

"کیا بات ہے فواد بھائی! آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں۔" اس نے ٹرے میز پہ رکھی اور کپ اٹھا کر اس کے قریب آئی۔

"ہاں، کچھ نہیں۔ آفس کا مسئلہ ہے۔" اس نے چائے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اسے کپ پکڑاتے محمل کی انگلیاں اس کے ہاتھ سے ذرا سی مس ہوئیں۔ اس نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا تو وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔ پھر چائے کا گھونٹ بھرا۔

"ہوں چائے تو تم اچھی بناتی ہو۔"

"اماں نے بنائی ہے۔" وہ جز بز سی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اونچی بھوری پونی ٹیل والی دراز قد سی محمل۔

"لائی تو تم ہو۔ ذائقہ ہے تمہارے ہاتھ میں۔"

"اچھا۔" وہ مسکرا دی۔

"اور یہ انگلینڈ جانے کا کیا سین ہے؟"

"وہ میں..... میں آگے پڑھنا چاہتی ہوں۔" وہ سر جھکائے کھڑی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

"مگر تم جاب کرنے کا کہہ رہی تھیں، مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔" وہ چائے کا کپ سائیڈ پہ رکھے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں صرف اپنے خرچوں کے لیے جاب کرنا چاہتی ہوں۔"

"اور یہ اتنی بڑی بزنس ایمپائر؟ یہ کون سنبھالے گا؟" محمل نے جھٹکے سے گردن اٹھائی۔ اسے لگا اس نے غلط سنا ہے۔

"بزنس ایمپائر؟"

"ہاں، تم اس کے اونرز میں سے ہو، کیا تمہارا فرض نہیں ہے کہ تم اپنے ابا کے بزنس کو بھی توجہ دو، آخر کبھی نہ کبھی تو تمہیں یہ سب سنبھالنا ہے۔"

"جی؟" وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اتنی حیران کیوں ہو محمل؟" وہ اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ محمل نے دیکھا، وہ اس سے خاصا لمبا تھا۔

"میں..... میں پتہ نہیں۔"

"کیا تم یہ سب نہیں سنبھالنا چاہتیں؟"

"میں سنبھالنا چاہتی ہوں مگر کیسے.....؟"

"تم واقعی سنبھالنا چاہتی ہو؟" فواد کے چہرے پہ خوشگوار حیرت اتری۔ "یعنی اگر میں تمہیں اپنے ساتھ آفس میں لگانا چاہوں تو تم میرے ساتھ کام کرو گی؟"

"جی، جی بالکل۔" اس کا دل ایک دم کسی اور لے پہ دھڑکنے لگا تھا، ہاتھ لرزنے لگے تھے۔

"ٹھیک ہے، پھر میں شام میں آغا جان سے بات کر لیتا ہوں۔"

"وہ..... وہ اجازت دے دیں گے؟" اس کے اندر وسوسوں نے سر اٹھایا تھا۔

"شیور کیوں نہیں دیں گے۔" وہ مسکرا کر اسے تسلی دے رہا تھا، اور اسے سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ وہ اپنی خوشی کا اظہار کیسے کرے۔ ایک دم ہی سب کچھ اسے اپنی مٹھی میں آتا دکھائی دینے لگا تھا۔

دولت نچھاور..... محبوب قدموں میں.....

اب اسے اس سیاہ فام لڑکی کی کتاب کی ہرگز ضرورت نہ تھی۔

وہ ہواؤں میں اڑتی واپس اپنے کمرے میں آئی تھی۔

اور پھر رات میں جب فواد نے اسے اپنے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹانے کی تجویز آغا جان کو دی تو سب سے پہلے حسن نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے فواد! محمل کو ابھی اپنی پڑھائی پہ توجہ دینی چاہیے۔" وہ ناگواری سے بولا تو محمل کو واضح برا لگا۔ شکر تھا خاندان کی عورتیں وہاں نہ تھیں، ورنہ تو طوفان ہی آ جاتا۔

"تم بیچ میں مت بولو حسن! میں آغا جان سے بات کر رہا ہوں۔"

"اور میں تمہاری باتوں کے مطلب اچھی طرح سمجھتا ہوں۔" حسن نے ایک کٹیلی نگاہ محمل پہ ڈالی۔ "مجھے اچھی طرح پتہ ہے کہ یہاں کیا چکر چل رہا ہے۔"

"شٹ اپ!" فواد بھڑک اٹھا تو آغا جان نے دونوں کو ہی جھڑک دیا۔

"شٹ اپ یو بوتھ۔ حسن! تم جاؤ اپنے کمرے میں۔" اور وہ فوراً اٹھ کر تیز تیز چلتا وہاں سے نکل گیا۔

"اور فادی، حسن ٹھیک کہہ رہا ہے۔ محمل کا آفس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ ہی وہ کبھی آفس جائے گی۔"

"مگر آغا جان.....!"

"آغا بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ محمل کا آفس میں کیا کام؟"

"بالکل، لڑکیوں کو ادھر دھکے کھانے کی کیا ضرورت ہے؟" غفران چچا اور اسد چچی نے بھی فوراً آغا جان کی تائید کر دی تو محمل نے بے بسی سے مدد طلب نگاہ سے فواد کو دیکھا۔

"اوکے، جیسے آپ کی مرضی۔" وہ شانے اچکا کر اب جھک کر اپنے بوٹ کے تسمے بند کر رہا تھا۔

اس کا دل جیسے کسی گہری کھائی میں جا گرا۔ وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی کچن میں آئی اور سنک پہ جھک کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کے آنسوؤں کے ساتھ سارے خواب گرتے، بہتے چلے جا رہے تھے۔ وہ اتنا روئی کہ ہچکی بند ہونے لگی تو بالآخر نل کھول کر منہ پہ پانی ڈالنے لگی۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ آج وہ آخری دفعہ رو رہی ہے۔ وہ آج کے بعد ہرگز نہیں روئے گی۔ اس نے تو سیدھے طریقے سے سب کچھ واپس حاصل کرنے کا سوچا تھا، لیکن ان لوگوں کو سیدھا طریقہ راس نہیں آیا تھا۔ ٹھیک ہے، اب اگر اسے ان سے انتقام لینے کو جادو یا سفلی علم کا سہارا بھی لینا پڑا تو وہ ضرور لے گی۔

اسے اب صبح کا انتظار تھا۔ صبح اسے بس اسٹاپ پہ جا کر اس سیاہ فام لڑکی سے وہ کتاب لینی تھی۔

ویسے نہیں تو ایسے سہی!

چہرے پہ ٹھنڈا پانی ڈالتے ہوئے اس نے نفرت سے سوچا تھا۔

☼ ☼ ☼

صبح اسے کالج نہیں جانا تھا۔ ایگزامز ختم ہو چکے تھے مگر وہ پھر بھی بہانہ کر کے مخصوص وقت سے آدھ گھنٹہ پہلے ہی اسٹاپ پہ چلی آئی تھی اور اب مسلسل بنچ کے آس پاس ٹہل رہی تھی۔

www.pkdigest.com

سیاہ فام لڑکی ابھی تک نہیں آئی تھی، محمل بار بار کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتی، پھر بے چین نگاہوں سے گردن ادھر ادھر گھماتی۔ بھوری اونچی پونی بھی ساتھ ہی جھولتی۔ اسے شدت سے اس لڑکی کا انتظار تھا اور آج تو لگتا تھا جیسے وقت بہت دیر سے گزر رہا ہے۔

بالآخر وہ تھک کر بنچ پہ بیٹھی اور سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"کیا میرا انتظار کر رہی تھیں؟" کسی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو وہ کرنٹ کھا کر اٹھی۔

وہ سیاہ فام لڑکی سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ "میں تمہارا ہی ویٹ کر رہی تھی۔"

"اور میں جانتی ہوں کہ کیوں؟" وہ آرام سے بنچ پہ بیٹھی، بیگ کا اسٹریپ کندھے سے اتار کر ایک طرف رکھا اور کتاب احتیاط سے گود میں رکھی۔ پھر جیسے فارغ ہو کر محمل کا چہرہ دیکھا۔

"تم تھک گئی ہو؟"

"ہاں میں تھک گئی ہوں۔ میں تنگ آ گئی ہوں۔ اس دنیا میں میرے لیے کچھ نہیں ہے۔ کوئی نہیں ہے۔"

"لوگوں ایسے نہیں کہتے۔ ابھی تو تمہیں وہ کچھ لینا ہے جس کی چمک سے تمہاری آنکھیں چکا چوند رہ جائیں گی۔ ابھی تو تم صحیح راستے پہ آئی ہو۔"

"مجھے صحیح اور غلط کا نہیں پتا، نہ ہی میں صحیح اور غلط کی تفریق میں پڑنا چاہتی ہوں۔" اس نے بے اختیار نگاہیں چرائی تھیں۔ اپنے دل سے، اپنے اندر بیٹھتے گلٹ کے احساس سے۔

"کوئی بات نہیں شروع شروع میں یہ کتاب مشکل لگے گی، جیسے کوئی عذاب ہو قید ہو، مگر پھر تم عادی ہو جاؤ گی۔" وہ ویسے ہی مسکرا رہی تھی۔

"یہ کتاب مجھ سے کیسے بات کرے گی؟" محمل سحر زدہ سی اس کی گود میں رکھی کتاب کو دیکھ رہی تھی۔

"روز اس کا ایک صفحہ پڑھنا۔ اگر مشکل لگے تو میں تمہیں کچھ ایسے لوگوں کا بتاؤں گی جو اس کتاب کا علم سکھاتے ہیں۔ بالکل خاموشی سے، چپ چاپ اپنا کام کرتے ہیں۔ میں تمہیں ادھر لے جاؤں گی، وہ تمہیں اس قدیم زبان کا علم سکھائیں گے جس میں یہ کتاب لکھی ہوئی ہے، پھر جب تم روز اس کا ایک ایک صفحہ پڑھنے کے قائل ہو جاؤ گی تو تم جانو گی کہ ہر صفحہ تمہارے yesterday کی روداد ہے اور تمہیں tomorrow کی تدابیر بتا رہا ہے۔"

"اور اگر میں ایڈوانس میں ایک صفحہ آگے پڑھ لوں تو مجھے اپنے آنے والے کل کا علم ہو جائے گا ہے نا؟"

"نہیں، تم ایک دن میں پوری کتاب بھی پڑھ لو تو بھی وہ تمہارا yesterday کی روداد ہی رہے گا۔ لیکن اگر وہی صفحے تم اگلے دن پڑھو تو وہ اس دن کے حساب سے تمہاری گزشتہ دنوں کی روداد بن جائے گا۔"

"کیا مطلب؟" وہ الجھ سی گئی۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی صفحے کا ایک دن میں ہی مطلب بدل جائے۔"

"اگر یہ نہ ہو تا تو کیا تم آج اس کتاب کی طرف یوں کھنچی چلی آتی؟"

"تم واقعی سچ کہہ رہی ہو؟" وہ اندر ہی اندر خوفزدہ بھی تھی۔

"تمہیں شک ہے کیا؟"

"نہیں، مگر تم مجھے یہ کیوں دے رہی ہو؟ تمہارا اس میں کیا فائدہ؟" اپنی دانست میں محمل نے خاصا عقل مندانہ سوال کیا تھا۔

"میرا ہی تو اصل فائدہ ہے۔" وہ پھر اسی پراسرار طریقے سے مسکرائی۔ "جو کچھ تمہیں حاصل ہو گا اس کا ایک شیئر تو مجھے ہی جائے گا۔"

"شیئر؟" وہ دنگ رہ گئی۔ "کیا مطلب؟ کتنا شیئر؟ کتنے پرسینٹ؟"

"شاید آدھا، شاید اس سے کچھ کم۔ معلوم نہیں، مگر یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے میرا حصہ مجھ تک پہنچ جائے گا، یہ کتاب خود میرے پاس آ کر مجھے میرا حصہ دلوائے گی۔"

"اچھا۔" وہ متحیر سی تھی۔ "پھر میں یہ لے لوں؟"

"پہلے خوب اچھی طرح سوچ لو۔"

"سب سوچ لیا ہے۔" وہ تیزی سے بولی اور کتاب پہ ہاتھ رکھا، مبادا وہ اسے واپس نہ لے جائے۔

"پھر لے جاؤ، مگر ایک اور کہنا، یہ ایک بہت بڑا بوجھ ہے جو میں تمہیں دے رہی ہوں۔ اگر تم نے وہ عبنہیں تم عملیات کہتی ہو، کر لیے اور ویسے ہی کیا جیسے یہ کتاب تمہیں کہے تو پھر سب کچھ بدل جائے گا۔ تم اس کتاب میں رہنے لگو گی، اسی سے بات کرنے لگو گی۔ اس کے علاوہ تمہیں کچھ نظر نہیں آئے گا۔ دیوانی ہو جاؤ گی محمل۔۔۔ اور پھر اگر تم نے اس کو چھوڑنا چاہا تو تباہ ہو جاؤ گی۔ جو ملا تھا وہ بھی جائے گا اور جو پہلے سے تھا وہ بھی عذاب بن جائے گا۔ جاؤ، اسے لے جاؤ۔"

اس نے سیاہ جلد والی بھاری کتاب اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی اور جب محمل ابراہیم نے اسے تھامنا چاہا تو اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔

"تھینک یو۔ کیا یہ مجھے تمہیں واپس کرنی ہو گی؟"

"نہیں۔"

"اور جب میں پوری پڑھ لوں، ختم کر لوں تب؟"

"تب پھر سے شروع کر دینا۔ یہ کتاب کبھی پرانی نہیں ہو گی۔"

"تھینک یو۔" وہ کپکپاتی انگلیوں سے کتاب پکڑے تیز تیز چلتی گھر کی سمت بڑھ گئی۔ کتاب کی سیاہ جلد سرد تھی، بے حد یخ سرد۔ کوئی اسرار تھا اس میں، کوئی قدیم راز، جسے وہ آج بے نقاب کرنے جا رہی تھی۔

جب اس نے گیٹ کھولا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور دل۔۔۔ دل تو ایسے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی سینہ توڑ کر باہر آ گرے گا۔ بوجھ بہت بھاری بوجھ تھا جو اس تھکی ہوئی لڑکی سے لیا تھا۔ اندر ہی اندر اس کا دل ڈر رہا تھا، کہیں وہ تباہی کے کسی رستے کی طرف تو نہیں جا رہی۔ یہ سیاہ علم، سفلی عملیات، یہ اچھی چیزیں تو نہ تھیں پھر وہ کیوں اسے اٹھا لائی تھی؟

اس نے رک کر سوچنا چاہا، مگر اب واپسی کا کوئی راستہ نہ رہا تھا۔

"دولت پچھاڑ۔۔۔ محبوب قدموں میں۔۔۔ دنیا پہ راج۔"

اسے بہت سی چیزیں اکٹھی کرنی تھیں اور وہ کتاب اس کے ہر مسئلے کا حل تھی۔ اسے بیگم نعمان کے بیٹے کا جھڑایا گیا رشتہ یاد آیا، اسے رات فواد کی بات پہ سب کا رد عمل یاد آیا، اسے اپنی بے پناہ دولت بھی یاد آئی تھی جس پہ عیش کوئی اور کر رہا تھا۔ پھر وہ کیسے اس لڑکی کو وہ کتاب، سب خزانوں کی کنجی واپس کر آتی؟ پھر وہ نہیں رکی اور کتاب سینے سے لگائے، سر جھکائے تیز قدموں سے چلتی لاؤنج میں داخل ہوئی۔

"کہاں سے آ رہی ہو؟"

وہ جو اپنے خیال میں گم تھی، آواز پہ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

سامنے تائی مہتاب قدرے مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"وہ۔۔۔ وہ تائی! وہ۔۔۔" اس نے بے اختیار خشک لبوں پہ زبان پھیری۔ "وہ نادیہ سے کچھ نوٹس لینے تھے، ذرا اسٹاپ تک گئی تھی۔ اماں کو بتا کر گئی تھی۔"

"ہاں تمہاری ماں تو کہیں کی لینڈ لیڈی ہے، جس کی اجازت کافی تھی۔"

"وہ وہ تائی! چچا اسد چچا کو بھی۔۔۔ بتایا تھا۔" پہلی دفعہ وہ تائی کے سامنے یوں ہکلا رہی تھی۔

"اچھا جاؤ، کرنہ کھاؤ۔" تائی بے زاری سے ہاتھ جھلا کر آگے بڑھ گئیں۔

وہ کمرے کی طرف لپکی، اور جلدی سے الماری کھول کر ایک خانے میں سارے کپڑوں کے نیچے وہ دبیز سیاہ کتاب چھپا دی، پھر الماری احتیاط سے بند کی، ادھر ادھر دیکھا۔ صد شکر کہ کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

"محمل!" باہر اماں نے پکارا تو وہ جلدی سے چہرے پہ آیا پسینہ پونچھتی باہر آئی۔

"جی؟"

مسرت جو کچن میں سارے گھر کے ناشتے بنانے میں مصروف تھیں، کچن میں انڈہ پلٹتے ہوئے مڑ کر اسے

www.pkdigest.com

دیکھا۔

"تم تو کالج گئی تھیں' اتنی جلدی آگئیں؟"

"جی بس۔"

"خیریت؟"

"اوہو! آج سب کو میری کیوں فکر پڑ گئی ہے؟ نادیہ سے نوٹس لینے تھے' مل گئے تو آگئی۔" وہ خوامخواہ ہی چڑ گئی' پھر ادھر ادھر برتنوں میں ہاتھ مارتی بظاہر کچھ تلاش کرنے لگی۔

"میں تو ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔ اچھا ناشتہ تو کر لو۔"

"نہیں بھوک نہیں ہے۔" وہ بس منظر سے ہٹنا چاہتی تھی' سو اتنا کہہ کر باہر لاؤنج میں آگئی۔ ذہن ابھی تک الماری میں کپڑوں کے پیچھے چھپی کتاب میں اٹکا ہوا تھا۔

پھر گھر کے کام کاج' صفائی اور اس کے بعد مسرت کے ساتھ مشین لگائے وہ میکانکی انداز میں خاموشی سے کام کرتی رہی' مسلسل اس کا دل پلٹ پلٹ کر اس کتاب کی طرف جاتا تھا۔ وہ چند بار اندر آئی اور الماری کھول کر کپڑوں کے پیچھے ہاتھ تھپتھپا کر دیکھا۔

وہ سیاہ کتاب وہیں رکھی تھی۔

پھر سارا دن وہ موقع ڈھونڈتی رہی کہ اسے جا کر پڑھے' کچھ تو پتہ چلے۔ کوئی راہ تو نکلے' مگر کاموں کا بوجھ اور کچھ فطری سا خوف تھا کہ وہ اس کتاب کو نکالنے کی ہمت نہ کر سکی۔

رات کھانے کے بعد اس نے جب سب کو ڈائننگ ہال میں سویٹ ڈش میں مصروف پایا' تو بالآخر الماری سے وہ بھاری کتاب نکالی اور اسے سینے سے لگائے دبے پاؤں سیڑھیاں اوپر چڑھتی گئی۔

ڈائننگ ہال سے براستہ لاؤنج کچن کی طرف جاتی مہتاب تائی نے چونک کر اسے آخری سیڑھی پھلانگتے دیکھا۔

"یہ محمل کیا کرتی پھر رہی ہے آج؟" انہوں نے پیچھے سے آتی ناعمہ چچی کو روک کر سرگوشی میں پوچھا۔

"ابھی کوئی کتاب پکڑے اوپر گئی ہے۔"

"اچھا؟" وہ متجسس سی تائی کے قریب آئیں۔

"پڑھائی وڑھائی تو اب ختم ہے اور چھت پہ تو کبھی نہیں گئی پڑھنے' ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔"

اور ان کی سرگوشیوں سے بے خبر' وہ باہر ٹیرس پہ نکل آئی' آہستہ سے دروازہ بند کیا اور ریلنگ کے ساتھ نیچے زمین پہ بیٹھ گئی۔ کتاب گھٹنوں پہ رکھے وہ کتنی ہی دیر اسے دیکھتی رہی۔

محرومیوں' نارسائیوں اور دکھوں کے اس کئی برس پرانے کرب کی اب جیسے انتہا ہو چکی تھی۔ اس سے اب مزید برداشت نہ ہوتا تھا۔ غلط ہو یا صحیح' وہ زندگی سے اپنا حصہ ضرور وصول کرے گی۔

ایک ٹھوس اور قطعی فیصلہ کر کے محمل ابراہیم نے کتاب کی سیاہ جلد پہ ہاتھ رکھا۔ وہ بے حد سرد تھی۔ ٹھنڈی اور پرسکون۔ وہ جلد پلٹنے ہی لگی تھی کہ ایک دم ٹیرس کا دروازہ دھاڑ سے کھلا۔

اس نے گھبرا کر سر اٹھایا' اور ایک لمحے کو تو زمین آسمان اس کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے۔

آغا جان' دونوں چچا' تائی مہتاب' ناعمہ چچی اور لڑکیاں اور مسرت بھی۔۔۔ سب ایک ساتھ باہر آئے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے یہاں؟" آغا جان غصے سے غرائے تھے۔ "محمل! کیا کر رہی ہو ادھر؟" وہ ہکا بکا منہ کھولے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

"ادھر کیا بیٹھی ہو' سامنے آؤ؟" تائی مہتاب چمک کر بولیں' اور اس کی تو جیسے ٹانگوں میں جان نہ رہی تھی۔ بمشکل اٹھی اور دو قدم آگے بڑھی۔ کتاب اسی طرح دونوں ہاتھوں میں پکڑی تھی اور پورا جسم لرز رہا تھا۔

"وہ۔۔۔ آغا جان۔۔۔! میں۔۔۔"

"میں پوچھ رہا ہوں' اتنی رات کو ادھر کیا کر رہی ہو"

"مم۔۔۔ میں پڑھ' پڑھ رہی۔۔۔" لفظ لبوں پہ ہی دم توڑ گئے' اس کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔

"کیا پڑھ رہی ہو؟ ادھر دکھاؤ۔" آغا جان کے لہجے

کی سختی کم نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے کتاب لینے کو ہاتھ بڑھایا تو وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔

"کک۔۔۔ کک کچھ نہیں' کچھ نہیں۔" اس نے کتاب پیچھے کرنی چاہی اور پھر اس نے دیکھا' آغا جان کے پیچھے کھڑی مسرت کی آنکھوں میں آنسو تھے اور تائی فاتحانہ مسکرائی تھیں۔

"ارے ہم بھی تو دیکھیں' بھری رات میں ادھر کون سی کتابوں میں چھپا کر خط و کتابت ہو رہی ہے' میں تو پہلے ہی کہتی تھی' یہ لڑکی کوئی چاند ضرور چڑھائے گی۔" اس کے ارد گرد جیسے دھماکے ہو رہے تھے۔

"نہیں۔۔۔ تائی۔۔۔! نہیں۔" وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے انہیں دیکھتی نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ "میں نے کچھ نہیں کہا' میں تو پڑھ۔۔۔"

آغا جان نے زور سے اس کے ہاتھوں سے کتاب چھینی۔ "پڑھ رہی تھیں تو دکھاتی کیوں نہیں ہو؟" ایک غصیلی نظر اس پہ ڈال کر انہوں نے کتاب اپنے سامنے کی۔

"میں بھی کہوں کیوں راتوں کو چھت پہ آجاتی ہے' کس کے ساتھ منہ کالا کرتی ہے' یہ زبان جو اتنی لمبی ہو رہی ہے' ارے میں بھی کہوں کوئی تو ہے' اس کے پیچھے آغا صاحب! اس سے کہیے کہ جس مردود کے لیے چھٹیاں ڈالنے ادھر آتی ہے' اسے کہے کہ ابھی آئے اور دو بول پڑھا کر اسے لے جائے۔ خاندان بھر میں بدنام کرے گی ہمیں کیا۔"

اور اسے لگا آج وہ واقعتاً" ہار گئی ہے۔ آغا جان کتاب کے صفحے پلٹ رہے تھے۔۔۔ ہر پلٹتے صفحے کے ساتھ اس کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس نے سر جھکا کر آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ آج وہ اسے یقیناً" قتل کر ڈالیں گے۔ وہ سفلی عملیات میں پڑ گئی ہے۔ کبھی نہیں بخشیں گے۔

"شرم نہیں آتی تمہیں' گھٹیا عورت!" آغا جان ایک دم دھاڑے تو اس کی رہی سہی جان بھی نکل گئی۔ اسے لگا وہ لہرا کر گرنے کو ہے جب۔۔۔

"میں۔۔۔ میں نے کیا کیا ہے؟" تائی کی ہکلاتی آواز نکلی۔

محمل نے جیسے کسی خواب سے جاگ کر سر اٹھایا۔ وہ کھلی کتاب ہاتھ میں پکڑے محمل سے نہیں' تائی سے مخاطب تھے۔

"تمہیں شرم نہیں آئی اس یتیم بچی پہ الزام لگا کر ہم سب کو اکٹھا کر کے؟ ڈوب مرو تم ایسے الفاظ کہنے سے پہلے وہ اب چھت پہ پڑھ بھی نہیں سکتی؟"

محمل نے پلکیں زور سے جھپکائیں یہ آغا جان کیا کہہ رہے تھے۔

"مگر آغا صاحب! وہ اس کتاب میں۔۔۔"

"ڈوب مرو تم بے دین عورت! وہ قرآن پڑھ رہی تھی' تم قرآن کی حرمت کا تو پاس رکھ لیتیں۔" انہوں نے سیاہ کتاب بند کی' اسے چوما' آنکھوں سے لگایا اور محمل کی طرف بڑھا دیا۔

"بیٹا! نیچے پڑھ لیتیں تو سب پریشان نہ ہوتے۔ یہ لو۔" وہ اسے کتاب تھما کر' ایک کٹیلی نگاہ ان عورتوں پہ ڈال کر واپس ہو لیے۔

"نہ تو اب چوروں کی طرح پڑھے گی تو بندہ شک تو کرے گا ہی' ورنہ میرا کیا دماغ خراب ہے کہ یوں کہتی۔" تائی شرمندہ سی پلٹیں۔

آغا جان کبھی کبھار انہیں یونہی سب کے سامنے جھڑک دیا کرتے تھے' خصوصاً" جب وہ اپنے رشتے داروں پہ بے دریغ پیسے لٹاتی تھیں۔

"اور نہیں تو کیا۔۔۔" آہستہ آہستہ سب نادم سے پلٹ گئے۔

وہ اسی طرح ساکت سی کتاب ہاتھ میں لیے کھڑی تھی۔ ٹیرس خالی ہو چکا تھا۔ سب جا چکے تھے۔ پرسکون اور سرخرو' مسرت بھی اور وہ اسی طرح پتھر کا بت بنے وہاں کھڑی تھی۔

"اس کتاب کا ہر صفحہ تمہارے گزرے دن کی روداد ہے۔"

"یہ کتاب کبھی پرانی نہیں ہوگی۔"

"تم سب کو اپنی مٹھی میں کر کے دنیا پہ راج کرو گی۔" اس سیاہ فام لڑکی کا ایک ایک فقرہ طمانچے کی طرح

www.pkdigest.com

اس کے منہ پہ برس رہا تھا۔
تڑاخ..... تڑاخ..... تڑاخ۔
اسے لگا' وہ بھی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے گی' یونہی صدیوں اس اندھیرے ٹیرس پہ کھڑی رہے گی۔
"دھوکہ..... مذاق..... فریب..... مسخر قرآن کی بے حرمتی....." اس سیاہ فام لڑکی نے کیا نہیں کیا تھا۔ اتنا بڑا مذاق؟ ایک پریشان حال لڑکی کو سبز خواب دکھا کر اسے اسی کی مقدس کتاب پکڑا دی؟ یہ ہوا کیا تھا اس کے ساتھ؟
اس کے ہاتھ ابھی تک لرز رہے تھے۔ نہایت بے یقینی کے عالم میں اس نے سیاہ جلد والی کتاب کو چہرے کے سامنے کیا۔
سیاہ جلد صاف تھی۔ بے داغ' بے لفظ۔
اس نے درمیان سے کتاب کھولی۔
اوپر عربی کی عبارتیں تھیں اور نیچے انگریزی کی۔ سب سے اوپر لکھا تھا۔
الکہف..... The cave۔
اس نے چند صفحے آگے کھولے۔
العنکبوت..... The spider۔
اس نے شروع سے دیکھا۔
المائدہ..... The Table spread۔
محمل نے کتاب بند کردی۔
آغا جان نے ٹھیک کہا تھا۔ وہ قرآن تھا۔ ان کی مذہبی کتاب' مقدس کتاب اور اس فرنگن نے کیسے کیسے قصے گھڑ دیے تھے اس کے ساتھ۔
"ذلیل عورت!" وہ شاک سے نکلی تو بے پناہ غصہ آیا۔ وہ لڑکی تو اپنے گھر بیٹھی اس پہ ہنس رہی ہوگی' اس کا تمسخر اڑا رہی ہوگی اور وہ بھی کتنی جلدی بے وقوف بن گئی۔ اف!
وہ تیز تیز قدموں سے سیڑھیوں کی طرف لپکی۔
"نہ سر پہ دوپٹہ' نہ وضو نماز' اور چلے ہیں قرآن پڑھنے۔ ہونہہ۔" لاؤنج کے بڑے صوفے پہ بیٹھی مائی اسے زینہ اترتے دیکھ کر اونچا بڑبڑائی تھیں۔ بڑے عرصے بعد آغا جان نے انہیں سب کے سامنے بے عزت کیا تھا اور وہ بھی صرف اور صرف محمل کی وجہ سے انہیں اب کسی طرح تو غصہ اتارنا تھا۔ مگر محمل کوئی بھی جواب دیے بغیر سر جھکائے تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

صبح وہ پھر جلدی آگئی تھی۔
سیاہ فام لڑکی آج بہت پہلے سے اس بنچ پہ بیٹھی تھی' اسے دیکھ کر محمل کے قدم تیز ہوگئے۔
قدموں کی چاپ پہ ہی اس نے سر اٹھایا محمل نے دیکھا' اسے دیکھ کر اس کی سیاہ آنکھوں میں امید کے دیے جل اٹھے تھے۔
سڑک خالی تھی۔ دور نارنجی سورج طلوع ہو رہا تھا۔ محمل اس کے بالکل سامنے آکھڑی ہوئی۔ سورج کی نارنجی شعاعیں اس کے پیچھے چھپ گئیں۔
"تمہیں شرم تو نہیں آئی ہوگی میرے ساتھ ایسا بے ہودہ مذاق کرتے ہوئے؟"
سیاہ فام لڑکی کی نگاہیں اس کے ہاتھوں میں پکڑی کتاب پہ جم گئیں۔ ایک دم ہی اس کی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی۔
"مصحف واپس کرنے آئی ہو؟"
"مصحف؟" اکھڑی اکھڑی سی محمل نے ابرو اٹھائی۔
"ہم اریب ورلڈ (عرب دنیا) میں قرآن کو مصحف کہتے ہیں۔"
"تم نے مجھے کیا قصے کہانیاں سنا کر قرآن تھما دیا۔ یہ کوئی مذاق کرنے کی کتاب تو نہ تھی۔ یہ تو قرآن تھا۔"
"قرآن نہیں قرآن ہوتا ہے۔" وہ اداسی سے مسکرائی تو محمل نے شانے اچکائے۔
"بہرحال تمہیں یہ پریکٹیکل جوک کر کے مجھے شرمندہ کرنے پہ شرم آنی چاہیے۔ میں تو کیا سوچ رہی تھی اور تم نے مجھے ایک مقدس کتاب تھما دی؟"
"تو تم کسی غیر مقدس چیز کی توقع کر رہی تھیں کیا؟"
"جی نہیں۔" وہ جھنجلائی' پھر قرآن اس کی گود میں رکھا۔ "یہ میرے پاس پہلے سے ہے' مجھے ضرورت نہیں ہے۔"
"بیٹھ کر بات کرلو۔"
"میں ٹھیک ہوں۔" وہ اسی طرح سینے پہ ہاتھ باندھے اکھڑی اکھڑی سی کھڑی رہی۔
"اچھا۔" اس نے نرمی سے مصحف کی سیاہ جلد پہ ہاتھ پھیرا۔ "تو تم نے یہ پڑھ رکھا ہے؟" اس کی آواز میں صبح کی ساری اداسی سمو گئی تھی۔
"ہاں اور بچپن میں ہی پڑھ لیا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم شروع سے ہی مسلمان ہیں۔" وہ عادتاً جتا کر بولی۔
"اور تمہیں' ہماری مقدس کتاب کے بارے میں غلط فہمیاں ہیں' یہ کوئی فال نکالنے والی کتاب نہیں ہے' نہ ہی اس میں میری یا تمہاری اسٹوری ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔"
"اچھا۔" وہ ذرا سا مسکرائی۔ "چلو پھر بیٹھو اور مجھے بتاؤ کہ اس میں کیا ہے۔"
"اس میں احکامات ہیں' نماز' روزے' حج' زکوٰۃ کے مسئلے۔" وہ اس کے ساتھ بنچ پہ بیٹھ کر بے حد سنجیدگی سے بتانے لگی۔ "اس میں پرانی قوموں کے قصے ہیں' قوم عاد' ثمود اور..... اور بنی اسرائیل۔"
"یہ بنی اسرائیل کا کیا مطلب ہوتا ہے؟"
"مطلب؟" وہ ہلکا سا گڑبڑائی۔ "بنی اسرائیل کا مطلب ہوا' اسرائیل کے بیٹے۔" وہ پوچھ رہی تھی' یا بتا رہی تھی' خود بھی نہ سمجھ سکی۔
"اسرائیل کا مطلب عبداللہ ہوتا ہے۔ ایل اللہ کو کہتے ہیں۔ یہ یعقوب کا نام تھا۔"
"اں ہاں حضرت یعقوبؑ کا قصہ حضرت یوسفؑ کا ہمیں تو کورس میں پڑھایا گیا تھا یوسفؑ اور زلیخا والا قصہ۔"
"یوسفؑ اور کس والا قصہ؟" سیاہ فام لڑکی کی آنکھوں میں حیرت ابھری۔
"یوسف اور زلیخا والا قصہ۔"
"عزیز مصر کی بیوی کا نام زلیخا تھا؟"
"کیا نہیں تھا؟" وہ کنفیوز ہو گئی۔
"کوئی دلیل ہے تمہارے پاس؟ کوئی حجت؟"
"دلیل؟ حجت؟" وہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ "ہمارے کورس کی گائیڈ بک میں لکھا تھا۔"
"کورس کی گائیڈ بک انسان کی بات ہے اور انسان کی بات میں دلیل نہیں ہوتی۔ دلیل صرف قرآن یا حدیث سے پیش کی جاتی ہے' کیونکہ دونوں نازل خداوندی ہوتے ہیں' قرآن اور حدیث میں اور نہ ہی اسرائیلیات میں' تمہیں بھی نہیں بتایا گیا کہ اس عورت کا نام زلیخا تھا۔" اس کا لہجہ نرم تھا۔ "مصر کی اس عورت سے ایک غلطی ہوئی تھی' ایک جرم سرزد ہوا تھا' مگر اللہ نے اس کا پردہ رکھ لیا۔ اس کا فعل تو بتایا مگر نام نہیں اور جس چیز کا پردہ اللہ رکھے' وہ کھل نہیں سکتا' مگر ہم نے "یوسف و زلیخا" کے قصے ہر مسجد و منبر پر جا کر سنائے۔ ہم کیسے لوگ ہیں؟"
"ہیں؟ تو اس کا نام زلیخا نہیں تھا؟" وہ ساری خفگی بھلا کر حیرت سے پوچھ رہی تھی۔
"اس کا نام راز ہے اور میرا اور تمہارا رب' وہ راز نہیں کھولنا چاہتا' سو یہ ہمیشہ راز ہی رہے گا۔"
"اچھا۔" اس نے شانے اچکائے۔ پہلی دفعہ اسے اپنی علمی کمتری کا خفیف سا احساس ہوا تھا مگر یہ مانا اس کی انا کی شکست تھی' سو لاپروائی سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔
"بہرحال' مجھے افسوس ہے کہ تمہارے کانسپٹ قرآن کے بارے میں غلط ہیں۔ یہ کتاب وہ نہیں ہے جو تم اسے سمجھتی ہو۔"
"اور اگر یہ وہ نہ ہوئی جو تم اسے سمجھتی ہو تو؟"
"میں صحیح ہوں' مجھے سب پتہ ہے۔"
"تمہیں جو کوئی اس نور کی طرف بلائے گا' تم اسے یہی کہو گی؟"
"مگر تم نے یہ تو نہیں بتایا تھا کہ یہ قرآن ہے۔ تم نے تو کچھ اور قصے سنائے تھے۔ آخر کیوں؟"
"اگر میں تمہیں تبلیغ کرتی تو تم اکتا کر مجھ سے دور بھاگ جاتیں۔"

www.pkdigest.com

"اب بھی تو یہی ہو گا۔" وہ ہنسا کر بولی تو سیاہ فام لڑکی نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

"لیکن اب تمہاری مجھ تمام ہو چکی ہے۔ آگے تمہاری مرضی۔"

ایک سیاہ مرسڈیز زن سے ان کے سامنے سے گزری' تھوڑی دور جا کر اس کے ٹائر چرچراتے ہوئے رکے اور وہ تیزی سے ریورس ہوئی۔ محمل نے چونک کر دیکھا۔

ڈرائیونگ سیٹ پہ فواد تھا۔

وہ حیران سی کھڑی ہوئی۔ وہ اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ ساتھ ہی اس نے ہاتھ بڑھا کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔

وہ جیسے کھل کر مسکرائی اور بیچ پہ رکھا بیگ کندھے پہ ڈالا۔ سیاہ فام لڑکی نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا' اور پھر محمل کی مسکراہٹ کو۔

"تمہارے پاس دو راستوں کا انتخاب تھا۔ مصحف یا دل.... تم نے اپنا انتخاب کر لیا' مگر مجھے ساری زندگی افسوس رہے گا کہ میں تمہیں مصحف کی طرف نہ لا سکی۔ اب تمہیں جو بھی لے آئے' میرا اس میں حصہ نہ ہو گا۔ لیکن میں ہمیشہ تمہارے لیے دعا کروں گی۔" سیاہ جلد والے مصحف کو سینے سے لگائے' اپنا بیگ کندھے پہ ڈال کر وہ اداس سیاہ فام لڑکی اٹھی اور خالی سڑک پہ ایک طرف کو چل دی۔ محمل نے دیکھا' وہ لنگڑا رہی تھی۔ وہ سر جھٹک کر گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

"جی فواد بھائی؟" اس نے فرنٹ سیٹ کے کھلے شیشے پہ جھک کر پوچھا۔

"آؤ بیٹھو۔"

"مگر....." وہ متذبذب ہوئی۔ گھر تو کالج کا کہہ کر آئی تھی۔

"کالج کیوں جانا ہے؟"

"ایسے ہی' فرینڈز گیٹ ٹوگیدر کر رہی ہیں۔"

"پھر کبھی چلی جانا' ابھی بیٹھو!" وہ حکم دے کر جیسے کچھ اور سننے کے موڈ میں نہ تھا۔ وہ مسکراہٹ دبائے اندر بیٹھی اور دروازہ بند کر دیا۔

ونڈ اسکرین کے اس پار وہ لنگڑاتی' سیاہ فام لڑکی دور ہوتی جا رہی تھی۔ محمل کو نہیں علم تھا کہ وہ اسے اس اداس صبح میں آخری بار دیکھ رہی ہے۔ اس کا نام کیا تھا وہ کدھر سے آئی تھی' وہ کچھ نہ جانتی تھی۔ مگر اس لمحے اسے جاتے دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ وہ لڑکی اسٹاپ پہ بس پکڑنے نہیں آئی تھی' بلکہ وہ تو شاید اس کے لیے آئی تھی اور شاید اس کے بس پکڑ لینے کے بعد یونہی چلی جاتی تھی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں فواد بھائی؟" فواد نے گاڑی آگے بڑھائی تو وہ پوچھ بیٹھی۔

"تم مجھے بھائی کہنا چھوڑ نہیں سکتی؟"

"وہ کیوں؟" دھڑکن بے ترتیب ہوئی مگر بظاہر وہ سادگی سے بولی تھی۔

"ایسے ہی...."

"پر ہم جا کہاں رہے ہیں؟"

"آفس! بتایا تو تھا۔" اسٹیرنگ پہ ہاتھ رکھے ذرا سا چہرہ اس کی طرف موڑا اور مسکرایا۔

"آفس؟" اب کے وہ واقعتاً حیران رہ گئی۔ "مگر آغا جان نے تو منع کر دیا تھا۔"

"ان سے تو میں نے رسماً پوچھا تھا۔" وہ لاپروا تھا۔

"اور حسن بھائی نے بھی...."

"جہنم میں گیا حسن! تم آفس جانا چاہتی ہو یا نہیں؟"

"جانا چاہتی ہوں۔" اس کے بگڑنے پہ وہ جلدی سے بولی۔

وہ کھل کر مسکرا دیا۔

"ایسے ہی اعتماد سے زندگی گزارو گی تو خوش رہو گی' ورنہ لوگ تمہیں ہضم کر جائیں گے۔ زندگی سے اپنا حصہ وصول کرنا سیکھو لڑکی!" وہ بہت موڈ میں ڈرائیو کر رہا تھا' اور وہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اسے تو کچھ بھی نہ کرنا پڑا تھا' اور قسمت اس پہ مہربان ہو گئی تھی۔

"اور یہ جو ڈرا جو تم نے پہن رکھا ہے' غالباً" میں پچھلے دو سال سے دیکھ رہا ہوں۔"

"تین سال سے۔" اس نے تصحیح کی۔

"امیزنگ! یہ تمہاری کزنز تو تین بار سے زیادہ ایک جوڑا نہیں چلاتیں اور تم؟"

"یہ تین سال پہلے عید پہ بنوایا تھا۔" محمل نے کرتے کے دامن پہ ہاتھ پھیر کر بغور اسے دیکھا۔

"میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے کہ نئے جوڑے بنوا سکوں۔ آغا جان تو بس عید کے عید کپڑوں کے پیسے دیتے ہیں۔" اس کا جانے کیوں دل بھر آیا تھا۔ آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو پھسلے تھے۔

"ارے نہیں محمل! ایسے نہیں روتے۔" اس کے رونے پہ وہ پریشان سا ہو گیا اور گاڑی سائیڈ پہ روک لی۔ "میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا اور جب تک میں ہوں' تمہیں فکر کی ضرورت نہیں۔"

اس نے سر اٹھایا' کانچ سی بھوری آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"ڈونٹ وری' آنسو نہیں جاتے جنٹل مین چلے جاتے ہیں یہاں سے تمہارے لیے ڈیرانجو ڈیریس لے کے تم بہت خوب صورت ہو محمل! تمہیں خوب صورت چیزیں ہی پہننا چاہئیں۔" وہ اس کے بہت قریب مخمور سا کہہ رہا تھا' پھر چونکا اور ذرا سیدھے ہو کر ایکسلریٹر میں چابی گھمائی۔

وہ کر جھکائے ہتھیلی کی پشت سے بھیگے رخسار رگڑنے لگی۔ ایک دلفریب مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی تھی۔ "اگر جو تائی اماں کو پتہ چلے کہ ان کا یہ دتی عہد میرے آنسوؤں کی اتنی پروا کرتا ہے تو کتنا مزا آئے۔"

فواد ترپ کا وہ پتہ تھا جس کے ذریعے اسے ان سب ظالم لوگوں سے انتقام لینا تھا۔

وہ اسے ڈیرانجو آؤٹ لٹس پہ لے گیا۔ محمل ایک دو دفعہ ہی ندا' سامیہ وغیرہ کے ساتھ ادھر گئی تھی۔ رنگوں' خوشبوؤں اور خوابوں کی سرزمین۔ چمکتے سنگ مرمر کے فرش اور قیمتی ملبوسات۔ اسے لگا وہ کسی خواب میں چل رہی ہے' سب کچھ جیسے واقعی اس کے قدموں میں ڈھیر ہو چکا تھا۔

"آج کل ایسی شرٹس کا فیشن ہیں اور جینی کرتیاں پہنتی ہو؟" ایک تنقیدی نگاہ اس پہ ڈال کر اس نے ایک جدید تراش خراش کے لباس کا فینسی ہینگر اتارا اور اس کے کندھے کے ساتھ لگایا۔ "ہوں' یہ ٹھیک ہے۔ تمہیں کیسا لگا؟"

"اچھا ہے۔" وہ تو جیسے بول ہی نہ پا رہی تھی۔

"یہ پیک کر دیں۔" اس نے ہینگر بے نیازی سے سیلز گرل کی طرف بڑھایا اور دوسرے ریک کی طرف بڑھ گیا۔

"سدرہ کی منگنی کے لیے بھی کوئی اچھا جوڑا تو لینا ہو گا' ہے نا؟"

"سدرہ باجی کی منگنی؟" وہ چونکی۔

"ہاں' اس کا رشتہ طے ہو گیا ہے اور فیکسٹ ہفتے اس کی منگنی ہے۔ تمہیں نہیں پتہ؟" وہ فار ملز کے ریک سے کپڑے الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔" وہ گھر میں غائب دماغ رہتی تھی' یا تائی اماں لوگوں نے خبر چھپا کر رکھی تھی؟ وہ فیصلہ نہ کر سکی۔

"یہ منگنی کے فنکشن کے لیے لے لو اچھا ہے نا؟" اس نے ایک نارنجی سا جوڑا نکال کر اسے دکھایا۔ محمل اس کے قریب چلی آئی۔

پی کاک گرین رنگ کی لمبی سی سیدھی قمیص' آدھی آستینوں کے ساتھ سلور چوڑی دار پاجامہ۔ گہری سبز قمیص پہ بھی گلے اور دامن پہ سلور موتیوں کا نازک کام تھا۔

"پریکٹیکل نہیں ہے' مگر بہت کلاسک سا ہے۔ یہ بھی پیک کر دیں۔" اس کے چہرے پہ پسندیدگی دیکھ کر اس نے وہ بھی سیلز گرل کو تھما دیا۔

"بس بہت ہیں فواد بھائی! میں اتنا سب گھر میں کیسے لے کر جاؤں گی۔" جب وہ اگلے بوتیک کی طرف بڑھا تو اس نے گھبرا کر روک دیا۔

"واقعی۔ یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔ چلو پھر کچھ چھوٹی موٹی چیزیں لے لیتے ہیں۔" جوتے' پرفیومز' کاسمیٹکس' جیولری اور بیگز کی باری آئی تو محمل نے

www.pkdigest.com

میچنگ کانچ کی چوڑیاں دلوا کر اس کے بصد اصرار بالآخر فواد نے بس کر دی۔

"میرا دل کرتا ہے محمل! میں تمہیں پوری دنیا خرید کر دے دوں۔ پتہ نہیں کیوں۔" وہ فرنٹ سیٹ کا لاک کھولتے ہوئے کہہ رہا تھا' اور وہ وہیں دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ رکھے گم صم سی اسے دیکھے گئی۔ یہی سب تو چاہا تھا اس نے' مگر کبھی سوچا ہی نہ تھا کہ یہ اتنی آسانی سے ہو جائے گا؟

پھر وہ اسے فیکٹری لے آیا۔

"ہیڈ آفس میں پاپا اور حسن ہوتے ہیں۔ اسد چچا اور غفران چچا پنڈی والی برانچ میں ہوتے ہیں جبکہ میں فیکٹری سائیڈ پہ۔ تم آج سے روز ادھر میرے ساتھ کام کرو گی۔ میں تمہیں آہستہ آہستہ سب کام سکھا دوں گا۔ ٹھیک؟"

"ٹھیک ہے' مگر میں گھر میں کیا کہوں گی؟"

"تم ٹیوشن پڑھانے جاتی ہو نا' تو بس تمہیں ایک ٹیوشن اور مل گئی ہے' جس کی فیس سے تم نے اپنے لیے اتنی شاپنگ کر لی ہے۔ مسرت چچی کو شاپنگ کے بارے میں یہی کہہ دینا اور باقیوں کو کچھ دکھانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ رائٹ؟ اب چائے لو گی یا کافی؟" وہ اپنی سیٹ سنبھالتے بے نیازی سے ہدایات دے کر فون کی طرف بڑھا تو وہ طمانیت سے مسکرا دی۔

"کافی۔" اور اس کے مقابل کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

"گڈ۔" وہ بھی مسکرا دیا۔ مسکراتے ہوئے وہ بہت اچھا لگتا تھا۔

اس روز فواد نے اسے کوئی کام نہ کرنے دیا۔ "بس ادھر بیٹھ کر مجھے آبزرو کرو اور سیکھو۔" کہہ کر اسے اپنے سامنے بٹھا دیا۔ کام کرتے کرتے وہ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر اسے مسکرا کر دیکھتا تو وہ ہنس پڑتی۔

وہ دن اسے اپنی زندگی کا بہترین دن لگا تھا۔

"اماں مجھے دوسری ٹیوشن بھی مل گئی ہے' سو آئندہ صبح جایا کروں گی۔"

مسرت اپنے کاموں میں الجھی تھیں' سو دھیان نہ دیا اور اس نے خاموشی سے سارے کپڑے اور چیزیں الماری میں رکھ دیں۔

پھر روز کا یہی معمول بن گیا۔ نادیہ کے والد کی اکیڈمی سے اس نے مہینے بھر کی چھٹی لے لی اور صبح سے شام ڈھلے فواد کے ساتھ فیکٹری چلی جاتی۔ اس نے آغا جان سے پیسے مانگنے چھوڑ دیے تھے اور جب سدرہ کی منگنی کے لیے آغا جان نے اسے کپڑے بنوانے کے لیے چند سو دینے چاہے تو اس نے بے نیازی سے انکار کر دیا۔

"تھینک یو آغا جان! مگر میرے پاس پہلے ہی بہت ہیں' تین تین ٹیوشنز پڑھاتی ہوں' میرے خرچے پورے ہو ہی رہے ہیں۔ پھر بھی اگر چاہیے ہوں گے تو آپ سے مانگ لوں گی۔"

آغا جان اور تائی مہتاب نے پھر کبھی اس کے شام کو گھر آنے پہ اعتراض نہ کیا۔ محمل ان سے پیسوں کا مطالبہ نہیں کرتی' نہیں اور کیا چاہیے تھا۔

☼ ☼ ☼

سیڑھیوں کے ساتھ لگے قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی وہ کان میں جھمکا پہن رہی تھی۔ جھمکا چاندی کا تھا' اس کے سلور چوڑی دار پاجامے جیسا اور سبز قمیص پہ بھی ایسا سلور کام تھا اور دوپٹہ تو یوں تھا جیسے سبز آسمان پہ تارے بکھرے ہوں۔ چھوٹی آستینوں سے اس کے گورے گداز بازو نمایاں تھے اور نازک کلائیوں میں بھر بھر کے سلور اور سبز چوڑیاں۔ ہلکا سا میک اپ اور سنہرے بھورے بال سیدھے شانوں پہ بکھرے تھے۔

جھمکا کان میں جا کے ہی نہیں دے رہا تھا۔ وہ چوڑیوں بھرے دونوں ہاتھوں سے جھمکے کو کان کے سوراخ میں ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ سب باہر لان میں جمع تھے' منگنی کا فنکشن شروع تھا اور ایک اس کی تیاری رہتی تھی۔

"اف اوہ۔" اس نے جھنجلا کر جھمکا کان سے ہٹایا۔ کان کی لو سرخ پڑ چکی تھی۔

"اب کیا کروں؟"

اسی پل آئینے میں اس کے پیچھے فواد کا چہرہ ابھرا۔

"فواد بھائی؟" وہ حیران سی پلٹی۔ "آپ ادھر؟ سب تو باہر ہیں۔"

"تم بھی تو ادھر ہو۔" وہ اس کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا۔ بلیک سوٹ میں وہ اتنا اسمارٹ' بندہ بنا پلک جھپکے جیسے مبہوت سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی نظریں بلا ارادہ جھک گئیں۔

"تم کتنی خوب صورت ہو محمل!"

محمل کا دل زور سے دھڑکا۔ اس نے بمشکل پلکیں اٹھائیں۔ وہ ان ہی مخمور نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں کی حدت سے اس کے رخسار سرخ پڑنے لگے۔

"وہ۔۔۔ وہ جھمکا۔۔۔ پہنا نہیں جا رہا۔" وہ گھبرا کر جیسے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"ادھر دکھاؤ۔" فواد نے اس کے ہاتھ سے جھمکا لیا' ذرا سا جھکا اور ایک ہاتھ سے اس کا کان پکڑا دوسرے سے جھمکا ڈال دیا۔

"لو۔۔۔ اتنی سی بات تھی اور تم نے پورا کان سرخ کروا لیا۔" اس نے نرم لہجے میں کہتے ہولے سے اس کے بھورے بالوں کو چھوا اور پھر پیچھے ہٹ گیا۔ وہ بھی سنبھل کر جھمکے کا سہارا لگانے لگی۔

ایک دم ہی فواد کچھ کہے بنا باہر نکل گیا' اور وہ جو دروازہ بند کر کے جا چکا تھا۔

"یہ کیا؟" وہ الجھ کر آئینے کی طرف پلٹی تو ٹھٹک گئی۔ حسن سیڑھیوں کے اوپر کھڑا تیکھی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ گڑبڑا کر جلدی جلدی بالوں میں برش پھیر کر جانے لگی' مگر حسن سیڑھیاں تیز تیز پھلانگتا نیچے آیا اور۔۔۔

"اگر آج کے بعد میں نے تمہیں فواد کے دس فٹ کے قریب بھی دیکھا تو ٹانگیں توڑ کر گھر بٹھا دوں گا سمجھیں۔" غصے سے اس کی کلائی پکڑ کر اس نے اتنی زور کا جھٹکا دیا کہ وہ چیخ پڑی۔

"حسن بھائی۔۔۔"

"آئی سمجھیں' یا نہیں؟" اس نے دوبارہ جھٹکا دے کر اس کی کلائی چھوڑی اور ایک غصیلی نگاہ ڈال کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

وہ ساکت سی اپنی جگہ کھڑی رہ گئی۔ اس نے سبز چوڑیوں والی کلائی تھامی تھی' اور آدھی سے زیادہ چوڑیاں تڑ تڑ ٹوٹ کر گرنے لگی تھیں۔ بہت سا کانچ اسے چبھ گیا تھا اور جگہ جگہ سے خون کے قطرے رسنے لگے تھے۔

"یہ۔۔۔ حسن بھائی۔۔۔ انہیں کیا ہوا؟" وہ دکھ سے اپنی زخمی کلائی دیکھتی رہ گئی۔ سبز کانچ کے ٹکڑے فرش پہ بکھرے تھے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یتیم ہونے کا یہ مطلب تھا کہ جس کا دل چاہے اس پہ ہاتھ اٹھائے؟ وہ آنسو پیتی اندر کے زخم کو بمشکل برداشت کا مرہم لگاتی جھک کر کانچ چننے لگی۔ دل چاہ رہا تھا کہ خوب روئے مگر خود کو سنبھالے وہ دوسری چوڑیاں پہن کر باہر آ گئی۔

سدرہ بڑے صوفے پہ دلہن کی طرح بھی سنوری بیٹھی تھی۔ عام سی شکل کی سدرہ بہت میک اپ کے باوجود بھی عام لگ رہی تھی۔ اس کا مگیتر قدرے موٹا تھا' اور خاصا سڑیلا ہوا بھی۔ اس میں کچھ ایسا نہ تھا کہ کوئی متاثر ہوتا' اور ندا اور سامیہ تو مسکرا مسکرا کر دل جلے تبصرے بھی کر رہی تھیں۔ سننے میں آیا تھا کہ وہ مہتاب تائی کی کسی سیکنڈ کزن کا بیٹا تھا۔ یہیں اسلام آباد میں ایک اچھی پوسٹ پہ کام کر رہا تھا۔ جانے کب رشتہ آیا اور پاپا ہوں' اسے اور مسرت کو تو خبروں کی طرح خبر دی گئی تھی۔

لان میں قمقموں اور روشنیوں کی بہار تھی۔ وہ جس وقت باہر آئی تو رسم ہو رہی تھی اور سہ لڑیاں ایک دوسرے کو مٹھائی کھلا رہی تھیں۔ سب ہنس بول رہے تھے۔

وہ خاموشی سے گھاس پہ چلتی ہوئی ایک کرسی پہ آ بیٹھی۔ اس کا دل اداس اور آنکھیں غمگین تھیں۔

www.pkdigest.com

فواد بھی وہیں اسٹیج پہ کسی کی بات پہ ہنستا ہوا اپنے بہنوئی کو مٹھائی کھلا رہا تھا۔ محمل نے اردگرد متلاشی نگاہوں سے دیکھا۔ اسٹیج کے سامنے گھاس پہ ساڑھی میں ملبوس فضہ اپنی کسی جاننے والی خاتون سے جسے حسن کا تعارف کرا رہی تھیں۔ حسن کے بازو کو تھامے وہ بہت فخر سے اس کے متعلق بتا رہی تھیں اور وہ مسکراتے ہوئے ان خاتون سے بات کر رہا تھا۔ اس نے بھی بلیک ڈنر سوٹ پہن رکھا تھا اور بلاشبہ وہ بہت گڈ لکنگ تھا۔

محمل نے دکھ سے اسے دیکھا۔ اس پل اسے حسن سے بڑا منافق اور دوغلا شخص کوئی نہ لگا تھا۔ حسن نے اس کی ناز ک گلابی کو ہی نہیں' اس کے دل کو بھی زخمی کر دیا تھا۔ سارے فنکشن کا مزا خراب ہو گیا تھا۔ وہ اتنی بددل اور غم زدہ بیٹھی تھی کہ احساس ہی نہیں ہوا وسیم کب اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔

"آج کتنوں کو گرانے کا ارادہ ہے' سرکار؟" وہ ایک دم بہت قریب آ کر بولا تو وہ اچھلی وہ اپنے ازلی لوفرانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"بڑے شکارے ہیں چھوٹی کرن' خیریت؟" وہ معنی خیزی سے پھر مسکرایا تو وہ گھبرا کر اٹھی اور لڑکیوں کے گروپ کی طرف بڑھ گئی۔ ساتھ ہی بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتی۔ وسیم ادھر ادھر گھومتے مسلسل اسے اپنی نگاہوں کے حصار میں رکھے ہوئے تھا۔

وہ پچتی پچاتی لوگوں میں ہی گھری رہی۔ وہ سب کزنز بہت خوش اور ایک ساتھ مکمل نظر آ رہے تھے۔ صرف وہ ایک فالتو کردار تھی۔ حالانکہ کتنی ہی عورتوں نے پوچھا تھا کہ یہ سبز اور سلور کپڑوں والی لڑکی کون ہے؟ وہ تھی ہی اتنی منفرد اور الگ تھلگ ہر شے سے بے خبر وہ سارا وقت افسردہ ہی رہی۔

سدرہ کی منگنی پہ جتنے شغل اور مزے کا اس نے سوچا تھا' اس سے بڑھ کر وہ بدمزہ ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

فواد اسے آفس میں چھوٹے موٹے کام دینے لگا تھا۔ زیادہ تر اسے سپروژن پہ ہی لگاتا۔

"یہ ڈرافٹ بنوانا ہے' اپنی نگرانی میں فنانس کے ذاکر صاحب سے بنوا لاؤ۔"

"اس چیک پہ سائن کروانے ہیں' مفتی صاحب سے کروا لاؤ۔"

اور یہ سارے کام بہت اعتماد طلب ہوتے تھے۔ اسے اچھا لگتا کہ وہ اس پہ بھروسہ کرتا ہے' اس کا خیال کرتا ہے۔ دوپہر کا کھانا وہ اکٹھے ہی کھاتے' باقی وقت وہ اپنے آفس میں کام کرتا تو محمل اپنے کیبن میں بیٹھ کر دوسروں کا بغور مشاہدہ کرتی۔ کبھی کبھی اسے احساس ہوتا کہ اتنے دن گزر جانے کے بعد بھی نہ تو وہ زیادہ کام کے بارے میں سمجھ پائی ہے اور نہ ہی وہ اور فواد زیادہ قریب آئے ہیں۔ وہ ہمیشہ اس کی پسند کی چیز منگواتا' اس سے اس کی اسٹڈیز اور مشاغل کے متعلق ہلکی پھلکی گپ شپ کرتا مگر اس شام آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر جھمکا پہناتے جیسی بے خودی اور "جرأت" پھر اس نے نہیں کی تھی۔

اس روز وہ صبح فواد کے ساتھ آفس نہیں گئی تھی۔

"دوپہر میں اسٹاپ پہ آنا' میں تمہیں پک کر لوں گا' آج مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ صبح دھیرے سے کہہ گیا تھا' اور اب وہ مسرور سی دوپہر کے انتظار میں اوپر ٹیرس پہ بیٹھی چائے پی رہی تھی۔

جانے فواد کو کیا بات کرنی تھی' اتنا کیا خاص کام تھا' وہ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بیٹھی چائے کے سپ لیتی سوچے جا رہی تھی۔ نگاہیں یونہی ساتھ والوں کے لان پہ بھٹک رہی تھیں۔ وہاں گھاس پہ سفید چادریں بچھی ہوئی تھیں اور ان پہ سفید شلوار قمیص اور ٹوپیوں والے مدرسے کے بچے ہل ہل کر سیپارے پڑھ رہے تھے۔ درمیان میں ایک چھوٹی میز تھی' اس پہ ایک بڑا سا قرآن' اور کچھ سیپارے رکھے تھے۔ ساتھ ہی اگربتیاں جل رہی تھیں۔

وہ بلا ارادہ ہی بڑے' بند قرآن کو دیکھے گئی۔ ذہن کے کسی نہاں خانے سے وہ چہرہ نکل کر اس کی آنکھوں کے سامنے آیا تھا۔

سیاہ فام لڑکی کا چہرہ۔ سیاہ آنکھیں اور موٹے موٹے سیاہی مائل ہونٹ۔ وہ مصحف کو سینے سے لگائے لنگڑاتی ہوئی سڑک پہ دور جا رہی تھی۔ کبھی کبھی اسے وہ منظر یاد آتا تو یوں لگتا کہ شاید۔۔۔ شاید جاتے ہے تھی' وہ سمجھ نہ پائی تھی۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ کیوں رو رہی

اسی طرح بچے ہل ہل کر سیپارے پڑھ رہے تھے۔ اس نے دیکھا' گونے میں بیٹھے ایک بچے نے سیپارے کا صفحہ الٹتے ہوئے احتیاط سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر دو صفحے الٹ دیئے۔ چند لمحے بعد اس نے پھر نگاہ اس پاس گھمائی اور کسی کو متوجہ نہ پا کر تین صفحے پھر سے الٹ دیئے اور پھر بلند آواز میں لمک لمک کر پڑھنے لگا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی محمل ہنس دی۔ وہ چھوٹا سا بچہ اپنی دانست میں اپنے اردگرد کے لوگوں کو دھوکہ دے رہا تھا یا پھر شاید رب کو' وہ جان نہ پائی۔

بچے آہستہ آہستہ اٹھ کر سیپارے رکھنے لگے' یہاں تک کہ سارے سیپاروں کو واپس ریحل پہ رکھ لیا گیا تو قادری صاحب نے قریب کھڑے ملازم کو اشارے سے اپنی طرف بلایا۔

"قرآن خوانی ہو چکی ہے۔ بریگیڈیئر صاحب کو بلا دیجیے کہ دعا میں شرکت کر لیں۔" ملازم سر ہلا کر اندر چلا گیا۔

وہ فواد کو بھول کر دلچسپی اور تجسس سے ریلنگ پہ جھکی' ساری کارروائی دیکھنے لگی۔ چائے کا کپ اس نے ایک طرف ڈال دیا تھا۔

چند منٹ بعد ملازم برآمدہ عبور کر کے لان میں اترا آیا۔ قادری صاحب جو منتظر سے بیٹھے تھے' سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔

"سر کہہ رہے ہیں کہ وہ بڑی ہیں' دعا میں شرکت نہیں کر سکتے' مگر آپ کا شکریہ کہ آپ نے قرآن پڑھ دیا۔ سر کہہ رہے ہیں کہ انہیں سکون نہیں ہے' باقی سب ٹھیک ہے' بس یہی دعا کروا دیں کہ انہیں سکون مل جائے۔"

قادری صاحب نے گہری سانس لی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے۔

وہ جیسے شناسا سی سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ دل میں نامعلوم سا افسوس اتر آیا تھا۔ ایک عجیب سا احساس ندامت' عجیب سی بے کلی۔ وہ اس احساس کو کوئی نام تو نہ دے سکی تو چائے کا کپ اٹھائے نیچے اتر آئی۔

اور پھر دوپہر تک وہ اس واقعے کو بھول بھال چکی تھی۔

اسٹاپ پہ مقررہ وقت پہ فواد کی مرسڈیز آتی دکھائی دی تو وہ خوش اور پرشوق سی بنچ سے اٹھی۔

"کیسی ہو؟" وہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھی تو وہ مسکرا کر بچپنے بے تابی سے پوچھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں فواد بھائی! آپ کیسے ہیں؟" وہ سادگی سے کہہ کر سیٹ کندھے سے اتار کر پیچھے رکھنے لگی۔ اپنے انداز سے اس نے کبھی فواد پہ یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ اس کے جذبات تک رسائی حاصل کر چکی ہے۔ وہ ہمیشہ خود کو اس کے احسانوں کے بوجھ تلے ممنون ظاہر کرتی تھی۔

"آج کا دن بہت اسپیشل ہے محمل!" وہ کار سڑک پہ ڈال کر بہت جوش سے بتا رہا تھا۔ "آج مجھے تم سے بہت کچھ کہنا ہے۔"

"جی' کہیے۔"

"اونہوں' ابھی نہیں ابھی سرپرائز نہیں کھول سکتا۔"

"اچھا' ایسا کیا ہے فواد بھائی؟"

"تم خود دیکھ لینا خیر' ابھی تو ہم شاپنگ پہ چل رہے ہیں۔ تمہارے لیے کچھ بہت اسپیشل لینا ہے۔"

"کپڑے؟ مگر ابھی تو کوئی فنکشن قریب نہیں ہے۔"

"ہے نا! آج ہے کچھ خاص۔"

"اچھا؟ کون کون ہو گا ادھر؟"

"میں اور تم۔" اس نے مبہم سا مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"آفس میں؟" وہ کچھ کچھ سمجھ رہی تھی مگر انجان

www.pkdigest.com

بنی رہی۔

"اونہوں۔ میریٹ میں آج ہم ساتھ ڈنر کریں گے۔"

"میریٹ؟" لمحے بھر کو تو وہ سانس لینا بھول گئی تھی۔ میریٹ میں ڈنر تو کیا اس نے تو کبھی اندر سے میریٹ کی شکل بھی نہ دیکھی تھی۔ لیکن پھر ڈنر کا لفظ اسے ذرا سا پریشان کر گیا۔

"میں اتنی رات کو کیا کہہ کر باہر رہوں گی فواد بھائی؟"

"نہیں ہم جلدی آجائیں گے اور آج رات میں خود تمہیں گھر لے کر جاؤں گا' سب کے سامنے' لیکن آف کورس تمہارے جواب کے بعد۔"

"جواب؟ کس چیز کا جواب؟"

"کچھ پوچھنا ہے تم سے۔"

اس کا دل زور سے دھڑکا۔ کیا جو وہ سمجھ رہی تھی' سچ تھا؟

"مگر کیا؟"

"یہ تو وہیں بتاؤں گا۔ آؤ' کچھ کپڑے لیتے ہیں تمہارے۔" وہ کار پارک کر کے سیٹ بیلٹ ہٹا رہا تھا۔

"مگر یہ ٹھیک تو ہیں۔" اس نے معمولی سا احتجاج کیا۔

"اونہوں۔ آج تمہیں اسپیشل تیار ہونا پڑے گا۔" اس کے انداز میں نرم سی دھونس تھی۔ وہ ہنس کر "اچھا" کہتی نیچے اتر آئی۔

وہ اسے ایک خاصے مہنگے بوتیک لے آیا تھا۔ کپڑوں سے زیادہ' کپڑوں کی قیمتیں ہوش اڑا دینے والی تھیں۔ وہ خود ہی آگے بڑھ کر کپڑے ادھر ادھر الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا' پھر رک کر پوچھا۔

"تمہیں ساڑھیاں پسند ہیں محمل؟"

"ساڑھیاں؟" وہ حیران ہوئی۔ "جی مگر وہ بہت فارمل....."

"کوئی اگر مگر نہیں' یہ ساڑھی دیکھو' کیسی ہے؟" اس نے ایک سیاہ ساڑھی آگے کی۔ سیاہ شفون کی ساڑھی پہ سلور مقیش بکھری تھی۔ وہ اتنی خوب صورت' جھلملاتی ساڑھی تھی کہ نظریں خیرہ کر دیتی۔

"اچھی ہے مگر بہت قیمتی....."

"تم سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ یہ پیک کر دیں۔"

پھر میچنگ جوتے اور ایک نازک سا سلور نگوں والا آرٹیفشل کنگن لیتے خاصا وقت لگ گیا۔ دوپہر ڈھلنے لگی تھی جب وہ جیولری شاپ میں داخل ہوئے۔ گولڈ اینڈ ڈائمنڈ جیولری شاپ میں محمل کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ "کیا فواد اس کے لیے کچھ اتنا قیمتی لینے جا رہا تھا؟ کیا وہ اس کے لیے اتنی خاص تھی؟"

"ڈائمنڈ رنگز دکھائیے۔" وہ کرسی کھینچ کر ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا قدرے تحکم و رعب سے بولا تو محمل تو سانس لینا ہی بھول گئی۔ خدا اس طرح چھپڑ پھاڑ کر بھی مہربان ہوتا ہے اسے آج پتہ چلا تھا۔

معمر' باریش سنار صاحب نے فوراً" کچھ سیاہ کیس سامنے کیے اور جیسے جیسے وہ سیاہ کیس کھولتے جا رہے تھے' جگر جگر کرتی ہیرے کی انگوٹھیوں سے اس کی آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔

"سر solitaire میں دکھا دوں؟"

"ہاں' بالکل۔"

وہ تو بالکل چپ ہی بیٹھی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ری ایکٹ کس طرح کرے۔

فواد کو کوئی رنگ پسند نہیں آ رہی تھی' وہ اس سے رائے بھی نہیں لے رہا تھا۔ بس دھڑا دھڑ انگوٹھیاں رد کرتا جا رہا تھا۔

"یوں کرو تم پہلے تیار ہو جاؤ' رنگ بعد میں لے لیں گے۔" شاپ سے نکلتے ہوئے اس نے گھڑی دیکھی۔ "میری چھ سے سات ایک میٹنگ ہے' بہت ضروری ہے' مس نہیں کر سکتا' چھ سے سات تمہیں میرے ساتھ آفس میں بیٹھنا پڑے گا اور پھر سات بجے ہم اکٹھے میریٹ کے لیے نکلیں گے۔ سو تم ابھی تیار ہو جاؤ۔"

"کدھر؟" وہ واقعی حیران ہوئی تھی۔

"پارلر میں اور کدھر؟ میں نے تمہارے لیے اپائنٹمنٹ لے لی تھی' تم صرف اندر جانا اور وہ تمہیں

تیار کر دیں گی۔"

وہ اسے قریبی پارلر لے آیا تھا اور پھر ویسے ہی ہوا جیسے اس نے کہا تھا۔ محض ایک گھنٹے بعد جب وہ پارلر کے قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی خود کو دیکھ رہی تھی تو اسے خود پہ رشک آیا تھا۔

سیاہ مقیش کی جھلملاتی ساڑھی میں اس کا دراز قد سیاہ و سلور پنسل ہیل کے باعث مزید نمایاں ہو گیا تھا۔ لمبی صراحی سی گردن اونچے جوڑے کے باعث بے حد دلکش لگ رہی تھی۔ جوڑے سے چند ایک لٹیں گھنگھریالی کر کے اس کی گردن اور رخساروں پہ جھول رہی تھیں۔ لائٹ لپ اسٹک کے ساتھ بلیک اسموکی آئیز۔ اور سیاہ بلاؤز کی چھوٹی آستینوں سے جھلکتے اس کے بے حد گورے سنہرے سے بازو۔ ذرا سی محنت سے وہ اتنی حسین لگ رہی تھی کہ خود کو دیکھ دیکھ کر اس کا دل نہیں بھر رہا تھا۔

وہ باہر آئی تو وہ جو اس کے انتظار میں گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا' بے اختیار سیدھا ہوا اور پھر مبہوت سا دیکھتا رہ گیا۔ وہ ساڑھی کا پلو انگلی سے لپیٹے احتیاط سے سیلون کے باہر کی سیڑھیاں اتر رہی تھیں۔

"اتنی حسین ہو تم محمل؟ مجھے اتنے برس پتہ ہی نہیں چلا۔" وہ جیسے متاسف ہوا تھا۔ وہ بے اختیار مسکرا دی۔

"تھینک یو' چلیں؟" اس نے آسمان کو دیکھا' جہاں شام ڈھلنے کو تھی۔

"ہاں میری میٹنگ شروع ہونے میں زیادہ وقت نہیں ہے۔ چلو۔" ایک بھرپور مسکراتی نگاہ اس پہ ڈال کر وہ کار کا لاک کھولنے ہی لگا تھا کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔

"اس وقت..... کون؟" کہتے کہتے اس نے اسکرین کو دیکھا اور پھر چونک کر فوراً" کان سے لگایا۔

"جی ملک صاحب! خیریت؟ جی کیا مطلب؟" اس نے لب بھینچ کر کچھ دیر کو دوسری طرف سے سنا۔ "مگر آپ نے ان کو بتایا تھا کہ آپ کو میں نے ہی بھیجا ہے؟ مگر کیوں؟ انہوں نے سائن کیوں نہیں کیے؟" اور ایک دم اسے فواد کے چہرے پہ ابھرتی غصے کی لہر دکھائی دی۔ "آپ سینئر آفیسر ہیں یا جونیئر' انہیں اس سے کیا غرض؟ آپ کو پتا ہے ملک صاحب اگر انہوں نے فائل سائن نہ کی تو صبح تک ہماری فیکٹری ڈوب جائے گی' ہم برباد ہو جائیں گے۔" اس نے رک کر کچھ سنا اور ایک دم جیسے بدکا۔ "کیا مطلب؟ میں اس وقت کیسے آ سکتا ہوں اتنی دور؟ میری میٹنگ ہے صدیق صاحب کے ساتھ' چھ سے سات میں ابھی اے ایس پی صاحب سے کیسے ملنے آ سکتا ہوں؟ کیا بکواس ہے؟" اس نے جھلا کر فون بند کر دیا۔

"کیا ہوا؟" وہ گھبرا کر قریب آئی۔

"معلوم نہیں اب کیا ہو گا۔" وہ پریشانی سے کوئی دوسرا نمبر پریس کرنے لگا' لمحے بھر کو تو وہ جیسے بھول ہی گیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کھڑی ہے۔

"جی راؤ صاحب' میں نے ملک الیاس کو بھیجا تھا آپ کی طرف..... مگر راؤ صاحب اتنی بھی کیا بے اعتباری؟" اس نے رک کر دوسری طرف سے سنا اور پھر جیسے ضبط کرتے ہوئے بے بسی سے بولا۔ "آپ کے اے ایس پی کا دماغ تو ٹھیک ہے؟ اس کا باپ جاگیردار ہو گا اپنے گاؤں کا' ہم ان کے مزارعے نہیں ہیں۔ بورڈ آف ڈائریکٹرز میں سے کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ ان کی ایک کال پہ چلا آئے' نہ ہی....." وہ لمحے بھر کو رکا اور پھر "میں کچھ دیر میں آپ کو بتاتا ہوں۔" کہہ کر وہ اب کوئی اور نمبر ملانے لگا تھا۔ "اے ایس پی ہمایوں داؤد' جانے مسئلہ کیا ہے اس شخص کا۔"

محمل بددل سی اس کے ساتھ گاڑی کے باہر کھڑی تھی۔ نجانے کیا ہوا تھا' دل میں عجیب عجیب سے وسوسے آ رہے تھے۔

"خیریت ہے فواد بھائی؟"

"خیریت ہی نہیں ہے۔ اے ایس پی کا بچہ جان کو آ گیا ہے' کہتا ہے کمپنی کے مالکوں کو بھیجو تو فائل اپروو ہو گی' میں ملازموں سے بات نہیں کرتا۔ اب کس کو بھیجوں ادھر؟ وہ ابھی اسی وقت بلا رہا ہے اور اس کے گھر پہنچنے میں آغا جان یا حسن کو ڈیڑھ گھنٹہ تو لگ ہی

www.pkdigest.com

جانے کا فوراً نہ کہہ دینا کہ تمہارا کیریئر تباہ ہو جائے گا۔" وہ جھنجلا کر بار بار کسی کو فون ملاتا بہت بے بس لگ رہا تھا۔ "اب یہی حل ہے کہ میں ابھی اس کے پاس چلا جاؤں اور واپس آ کر صدیقی صاحب سے میٹنگ کر لوں۔"

"اور ڈنر کینسل؟" اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

"کرنا پڑے گا محمل!" اس نے ہاتھ روک کر محمل کا تاریک پڑتا چہرہ دیکھا۔ "آئی ایم سوری' میں یوں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا مگر میری مجبوری ہے' وہ ملازموں سے بات نہیں کرے گا' گھر کے بندے کو ہی جانا پڑے گا۔"

"میں بھی ملازم ہوں فواد بھائی؟" ایک خیال سا اس کے ذہن میں ابھرا۔

"کیا مطلب؟" وہ جیسے چونکا۔

"اگر... اگر میں آپ کے دو کاموں میں سے کوئی ایک کر دوں تب تو ہم ڈنر پہ جا سکتے ہیں نا؟" وہ اچکچا کر بولی کہ کہیں وہ برا نہ مان جائے۔

"ارے مجھے یہ خیال کیوں نہیں آیا؟ تم بھی تو کمپنی کے اونرز میں سے ہو' تم بھی تو یہ فائل سائن کروا سکتی ہو۔ بلکہ یوں کرتے ہیں' تم ڈرائیور کے ساتھ فائل لے کر چلی جاؤ' جب تک میں صدیقی صاحب سے نپٹ لیتا ہوں' اور پھر ڈرائیور تمہیں ہوٹل لے آئے گا' ٹھیک؟" اس نے منٹوں میں سارا پلان ترتیب دے دیا' وہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"ٹھیک ہے' میں پھر چینج کر لوں۔"

"نہیں نہیں ایسے ہی ٹھیک ہے' اس طرح تو تم واقعی کوئی پُراعتماد ایگزیکٹو لگ رہی ہو۔ یہ ساری بزنس ویمن فارملی ایسے ہی ڈریس اَپ ہوتی ہیں۔ میں ڈرائیور کو کال کر لوں۔"

وہ مطمئن تھا مگر محمل کو قدرے عجیب سا لگ رہا تھا۔ وہ اتنی قیمتی اور جھلملاتی ساڑھی میں کسی فنکشن کے لیے تیار لگ رہی تھی' کسی آفیشل معاملے کے لیے موزوں نہیں' لیکن اگر فواد کہہ رہا تھا تو ٹھیک ہی سے ایکسائٹڈ کر گیا۔

سارا راستہ وہ پچھلی سیٹ پہ ٹیک لگائے آنکھیں موندے اس ہیرے کی انگوٹھی کے متعلق سوچتی آئی تھی' جو فواد نے پہننا" لے لی ہو گی اور جب وہ تائی امّاں کے سامنے کھڑا ہو کر محمل سے شادی کی بات کرے گا' تب تو مانو گھر میں طوفان ہی آ جائے گا۔ مگر اچھا ہے۔ ایسا ایک طوفان ان فرعونوں کو لرزانے کے لیے آنا چاہیے۔

وہ پُرسکون' مطمئن اور پُراعتماد تھی۔

گاڑی طویل ڈرائیوے عبور کر کے پورچ میں رکی تو وہ ایک ستائشی نگاہ خوب صورت سے لان پہ ڈالتی نیچے اتری۔

مین ڈور پہ ایک سوٹڈ بوٹڈ ادھیڑ عمر شخص جیسے منتظر سا کھڑا تھا۔

"اے ایس پی ہمایوں داؤد....؟" اس نے ذہن میں اندازہ لگایا اور فائل مضبوطی سے پکڑے اعتماد سے چلتی ان کے قریب آئی۔

"میں آغا گروپ آف انڈسٹریز سے..."

"جی میڈم محمل ابراہیم! آیئے اے ایس پی صاحب اندر آپ کا ہی انتظار کر رہے ہیں۔" ان نے دروازہ کھول کر راستہ دیا۔ وہ لمحے بھر کو ہچکچائی اور پھر خود کو وُوٹ پٹتے ہوئے اندر قدم رکھا۔

روشنیوں میں گھرا وہ بے حد نفیس اور قیمتی سامان سے آراستہ گھر اندر سے اتنا خوب صورت تھا کہ خود کو سنجیدہ رکھنے کی کوشش کے باوجود اس کی نگاہیں بھٹک بھٹک کر اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"اے ایس پی صاحب کدھر ہیں۔"

"وہ اندر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ اس کے آگے تیز تیز چلتے ہوئے لاؤنج میں لے آیا۔ "سر! یہ پہنچ گئی ہیں۔"

اس نے لاؤنج میں قدم رکھا تو سامنے بیٹھے شخص کو اپنی طرف متوجہ پایا۔

وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے صوفے پہ بیٹھا تھا۔ تھوڑی

ماہنامہ حنا
بہنوں کا اپنا ماہنامہ
لاہور
مارچ 2011 کا شمارہ "بہار نمبر" شائع ہو گیا ہے
مارچ 2011 کے شمارے کی ایک جھلک
☆ اداکار "فیصل قریشی" سے ملاقات،
☆ "صراطِ زیست کا حاصل" عمیرا علی کا مکمل ناول،
☆ "اک آرزو تھی بہاری" سمیرا گل کا مکمل ناول،
☆ "مسافت طے ہوئی" سمیرا ممتاز خان کا ناولٹ،
☆ "محبتوں میں حساب کیسا" مہجبہ تبسم کا ناولٹ،
☆ اس کے علاوہ سباس گل، حسین اختر، نازیہ ضیاء اور شازیہ مصطفےٰ کے افسانے،
☆ "پیاسا صحرا" فرحت شوکت کا سلسلے وار ناول،
☆ "مجھے صاحر سے کہو" اُم مریم کا سلسلے وار ناول،
☆ "میں ستارہ صبیح اُمید کا" فوزیہ غزل کا سلسلے وار ناول،
پیارے نبی ﷺ کی باتیں، انشائیہ، انٹرویوز، شوبز کی دنیا کی دلچسپ معلومات کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں
مارچ 2011ء کا شمارہ آج ہی اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب کریں

ذرا سی شیو بڑھی تھی اور بال ماتھے پہ بکھرے تھے۔ بلیک کوٹ میں ملبوس جس کے اندر سفید شرٹ کے دو بٹن اوپر سے کھلے تھے۔ ایک ہاتھ میں اورنج جوس سے بھرا وائن گلاس پکڑے وہ بغور اسے اندر آتے دیکھ رہا تھا۔

ایک لمحے کو تو محمل کے قدم ڈگمگائے۔ اس کا پالا زیادہ تر گھر کے لڑکوں سے ہی پڑا تھا۔ فواد اور حسن خوش شکل تھے' کچھ دولت کی چمک دمک سے بھی اسٹائلش لگتے تھے' باقی اس کے چچاؤں میں بھی کوئی اتنی متاثر کن شخصیت کا مالک نہ تھا جتنا صوفے پہ بیٹھا وہ مغرور سا دکھنے والا شخص تھا۔ ہینڈسم سے بے حد ہینڈسم... اتنا وجیہہ مرد اس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مرعوب ہو گئی۔

وہ خاموشی سے اسے بغور جانچتی نگاہوں سے دیکھتا رہا' یہاں تک کہ وہ آ کر سیدھی سامنے والے صوفے پہ بیٹھی اور فائل سامنے میز پہ رکھ دی۔ اب اس کا اعتماد کسی حد تک بحال ہونے لگا تھا۔

"یہ فائل اپروو کروانی تھی اے ایس پی صاحب!" وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے اس کے مقابل بیٹھی خاصے اعتماد سے بولی تو وہ ذرا سا مسکرایا' پھر سامنے ہاتھ باندھے کھڑے سوٹڈ بوٹڈ شخص کو دیکھا۔

"ان کو آغا فواد کریم نے ہی بھیجا ہے راؤ صاحب!" مسکرا کر کہتے اس نے جوس کا گلاس لبوں سے لگایا۔

محمل نے ذرا چونک کر راؤ کو دیکھا۔

وہ بھی مسکرایا تھا۔

کچھ تھا ان دونوں کی معنی خیز مسکراہٹ میں کہ دور اس کے ذہن میں خطرے کا الارم بجا۔

"تو آپ فائل اپروو کروانے آئی ہیں؟" وہ استہزائیہ مسکراتی نگاہوں سے کہہ رہا تھا۔ محمل کو الجھن ہونے لگی۔

"جی' یہ آغا گروپ آف انڈسٹریز کی فائل ہے اور..."

"اور آپ کی اپنی فائل؟ وہ کہاں ہے؟" اس نے

www.pkdigest.com

گلاس سائیڈ پہ رکھا اور قدرے جھک کر ہاتھ بڑھا کے فائل اٹھائی۔

"میری کون سی فائل؟" کچھ تھا جو اسے کہیں غلط لگ رہا تھا' کہیں کچھ بہت غلط ہو رہا تھا۔

"آپ جائیں راؤ صاحب!" اس نے فائل کے صفحے پلٹا کر ایک سرسری نگاہ ڈالی اور پھر فائل اس کی طرف بڑھائی۔ محمل لینے کے لیے اٹھی مگر بہت تیزی سے راؤ صاحب نے آگے بڑھ کر فائل تھامی۔

"اور جا کر آغا فواد کے ڈرائیور کو کہیں کہ فائل اپروو ہے' صبح ان کو رسید مل جائے گی۔"

"بہتر' سر!" راؤ صاحب فائل لے کر پلٹے تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے دے دیں' میں لے جاتی ہوں۔"

وہ دونوں ایک دم چونکے تھے' اور پھر رک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ ہمایوں نے اشارہ کیا تو راؤ صاحب سر ہلا کر باہر نکل گئے۔

"آپ بیٹھیے' مادام! ڈرائیور دے آئے گا۔"

ایک دم ہی اس کے کانوں میں خطرے کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی تھی۔ اسے لگا وہ غلط وقت پہ غلط جگہ اور غلط لوگوں کے درمیان آ گئی ہے۔ اسے وہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔

"نہیں' میں چلتی ہوں۔" وہ پلٹنے ہی لگی تھی کہ وہ تیزی سے اٹھا اور زور سے اس کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف گھمایا۔ اس کے لبوں سے چیخ نکلی۔

"زیادہ اوور اسمارٹ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کہا جا رہا ہے ویسے ہی کرو۔" اس کے بازو کو اپنی آہنی گرفت میں دبوچے وہ غرایا تھا۔ لمحے بھر کو تو زمین آسمان محمل کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے۔

"چھوڑیں مجھے۔" وہ سنبھل ہی نہ پائی تھی کہ ہمایوں داؤد نے اس کی دونوں بازوؤں کو ہاتھوں میں پکڑ کر اسے جھٹکا دے کر اپنے بالکل سامنے کیا۔

"زیادہ چالاکی دکھائی تو اپنے پیروں پہ گھر نہیں جاؤ گی۔"

"مم... مجھے چھوڑیں۔ مجھے گھر جانا ہے۔" محمل نے اس کو پرے دھکیلنا چاہا مگر اس کی گرفت بہت مضبوط تھی۔

"گھر جانا ہے؟ گھر ہی جانا تھا تو یہ اتنے ناٹ سنگھار کیوں کیے تھے' ہوں؟" اس نے ہولے سے اس کی تھوڑی کو انگلی سے اوپر کیا' دوسرے ہاتھ سے کہنی اتنی مضبوطی سے جکڑ رکھی تھی کہ وہ ہل نہ پائی اور گھبرا کر چہرہ پیچھے کیا۔

"میں فنکشن پہ جا رہی تھی' آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں' میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔ آپ فواد بھائی سے میری بات کرائیں' انہیں پتا ہیں کہ..."

"بھائی؟" وہ چونکا۔ "آغا فواد تمہارا بھائی ہے؟"

"جی... جی... وہ میرے بھائی ہیں' آپ بے شک ان سے پوچھ لیں۔ مجھے یہاں نہیں آنا تھا' فواد بھائی کو خود آنا تھا' مگر ان کی میٹنگ تھی۔" وہ ایک دم رونے لگی تھی۔ "آپ پلیز مجھے گھر جانے دیں' میں غلط لڑکی نہیں ہوں' میں ان کی بہن ہوں۔"

"جھوٹ بول رہی ہے۔" راؤ پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ "اسی کو ادھر آنا تھا۔ چار ہفتے پہلے تو ڈیل ہوئی تھی سردار اسی کے نام سے ہوئی تھی۔ کم عمر' خوب صورت اور ان چھوئی۔ آغا نے کہا تھا یہ ہماری بڈ پہ پوری اترتی ہے۔" راؤ کا لہجہ سپاٹ تھا' محمل ابراہیم نام ہے نا تمہارا؟ تم آغا کی بہن کیسے ہو سکتی ہو؟ وہ تین کروڑ کے نفع کے پیچھے اپنی بہن کو ایک رات کے لیے نہیں بیچ سکتا۔"

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ)

سرورق کی شخصیت

ماڈل _____ کرسٹینا
ٹرانسپرنسی _____ موسیٰ رضا
میک اپ _____ روز بیوٹی پارلر

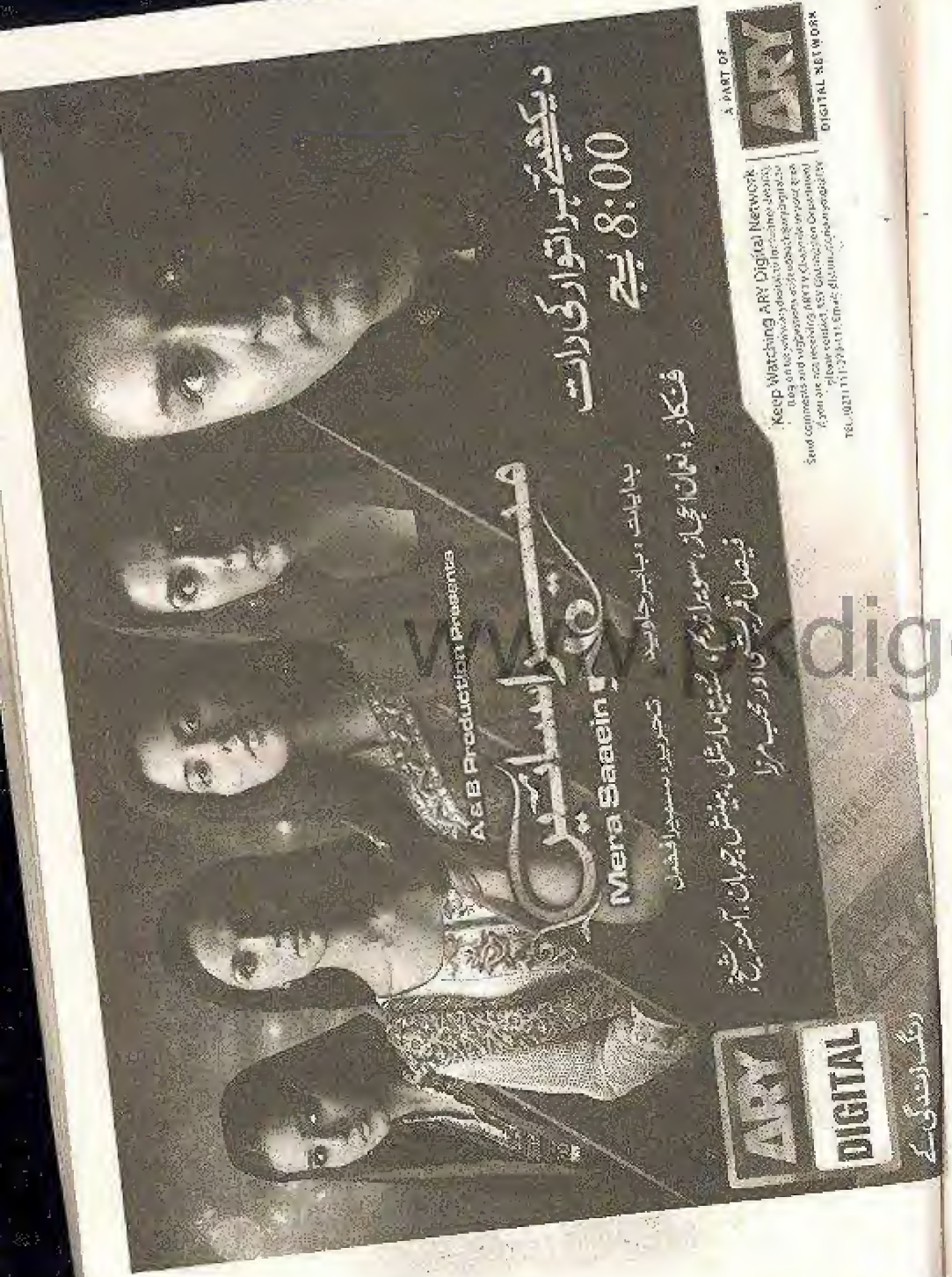

مدتوں بعد شبِ ماہ اُسے دیکھا تھا
پر کسی اور کے ہمراہ اُسے دیکھا تھا

کیا خبر تھی کہ کہانی کوئی بن جائے گی
میں نے کل بزم میں ناگاہ اُسے دیکھا تھا

وصل کی رات ستاروں نے بڑی حسرت سے
گاہ دیکھا تھا مجھے، گاہ اُسے دیکھا تھا

آج اک عمر کے بعد اُس سے ملا تھا لیکن
اپنے احوال سے آگاہ اُسے دیکھا تھا

اس کا کیا ٹھیک کہ لوگوں نے بیک وقت جمالؔ
سرِ میخانہ و درگاہ اُسے دیکھا تھا

جمالؔ احسانی

دم بدم بڑھ رہی ہے یہ کیسی صدا شہر والو سنو!
جیسے آئے دبے پاؤں سیلِ بلا، شہر والو سنو!

یہ جو راتوں میں پھرتا ہے تنہا بہت، ہے اکیلا بہت
ہو سکے تو کبھی اس کا بھی ماجرا، شہر والو سنو!

اس کے جی میں ہے کیا، اس سے پوچھو ذرا، دیکھیں کہتا ہے کیا
کس نے اس شخص پر کوہِ غم ڈھا دیا، شہر والو سنو!

عمر بھر کا سفر، جس کا حاصل ہے اک لمحۂ مختصر
کس نے کیا کھو دیا، کس نے کیا پا لیا، شہر والو سنو!

خاک اُڑاتی نہ تھی اس طرح تو ہوا، اس کو کیا ہو گیا
دیکھو آواز دیتا ہے اک سانحہ، شہر والو سنو!

اطہر نفیس

اک گلاب باقی ہے

جھیل کی اُداسی میں
بے دلی کی دلدل پر
بے خبر سے منظر میں
درد کے سمندر میں
ایک یاد باقی ہے
آنکھ میں خزاں رُت ہے
گرد اُڑتی رہتی ہے
پھر بھی ایک کونے میں
اک گلاب باقی ہے
ایک یاد باقی ہے

ارشد نعیم

کوئی دیوار ہے نہ در سائیں
ہم فقیروں کا کیا ہے گھر سائیں

آبلے پڑ گئے ہیں پیروں میں
ختم ہوتا نہیں سفر سائیں

کون رہتا ہے اس خرابے میں
ڈھونڈتی ہے کسے نظر سائیں

اک قیامت گزر گئی مجھ پر
اور مجھ کو نہیں خبر سائیں

ایک بھٹکے ہوئے مسافر کو
اور ہوتا ہے در بہ در سائیں

رمزی آثم

www.pkdigest.com

نمرہ احمد

مصحف

محمل ابراہیم، آغا ابراہیم اور مسرت بیگم کی خوب صورت اور طرح دار بیٹی ہے۔ بچپن میں ہی آغا ابراہیم کے انتقال کے بعد تایا آغا کریم اور چچاؤں کے رحم و کرم پر ہے۔ مسرت سیدھی سادھی خاتون تھیں۔ اس لیے اپنی سسرال کو گھر اور کاروبار پر قبضہ کرنے سے روک نہیں پائیں۔ جس کا قلق محمل کو ہے۔ گھر والوں خصوصاً تائی مہتاب کا رویہ ماں بیٹی کے ساتھ بے حد ناروا ہے۔ اپنے تعلیمی اخراجات و ضروریات کے لیے محمل ٹیوشن سینٹر میں پڑھاتی ہے۔

آغا ابراہیم کے اس محفل نما گھر میں آغا کریم اور مہتاب تائی، فواد، حنان، وسیم، سدرہ اور مہرین کے ساتھ مقیم ہیں۔ آغا ابراہیم کے جڑواں بھائی آغا غفران اور فضہ چچی کے تین بچے حسن، ندا اور سامیہ ہیں۔ سب سے چھوٹے آغا اسد اور ناعمہ بالائی منزل پر رہائش پذیر ہیں۔ جن کے تین بچے آرزو، معیز اور معاذ ہیں جبکہ رضیہ پھپھو کی ایک صاحبزادی فائقہ بھی ہیں۔ خاندان بھر میں تائی مہتاب اور آغا کریم کے فرزند فواد کو خاص مقام حاصل ہے۔ آرزو، فائقہ اور ندا اس کے لیے خاص جذبات رکھتی ہیں۔ محمل کو تائی مہتاب کے خاندان کی اس دکھتی رگ کا بخوبی اندازہ ہے۔ وہ فواد کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اسے نظر انداز کرتی ہے تو وہ اس پر چونک جاتا ہے۔ آرزو، سدرہ اور فائقہ کو اس کی خوب صورتی اور ذہانت سے حسد ہے۔

کالج جاتے ہوئے ہر روز اسے ایک پراسرار سیاہ فام لڑکی ملتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ جلد کی کتاب محمل کی توجہ کھینچتی ہے۔ وہ لڑکی محمل کو بتاتی ہے کہ اس کتاب میں ماضی، حال، مستقبل کا احوال ہے۔ اور اس میں حالات اپنے گرفت میں

مکمل ناول

کرنے کا نسخہ ہے۔ محمل اسے سمجھ نہیں پاتی ہے۔ وہ لڑکی محمل سے کہتی ہے کہ ایک دن اسے اس کتاب کی ضرورت ضرور پڑے گی۔

محمل آغا کریم کو بتاتی ہے کہ بہترین تعلیمی ریکارڈ پر اسے جلد ہی برٹش کونسل کی جانب سے لندن کی اسکالرشپ مل جائے گی۔ وہ راستہ صاف ہو جانے کی اس نوید پر سکون کا سانس لیتے ہیں۔ ایرونائٹکل انجینئر فرقان کا رشتہ سدرہ کے بجائے محمل کے لیے دے دیا جاتا ہے تو سب کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔ تائی مہتاب فوراً انکار کر دیتی ہیں۔ جس پر محمل اور مسرت کو بہت رنج ہوتا ہے۔ فواد اس سے ہمدردی جتاتا ہے اور اسے فیکٹری میں آنرشپ دینے اور جاب کرنے کے لیے آغا جان سے بات کرتا ہے جس پر وہ انکار کر دیتے ہیں۔ حالات سے تنگ آ کر محمل اس پر سرار لڑکی سے سیاہ جلد والی کتاب لے آتی ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے سے قبل ہی تائی مہتاب سب کے ساتھ اسے رنگے ہاتھوں پکڑتی ہیں۔ لیکن پتہ چلتا ہے کہ یہ تو قرآن مجید ہے۔ محمل سمیت سب رنگ رہ جاتے ہیں۔ تائی مہتاب اپنی بے عزتی پر بے حد تلملاتی ہیں۔ محمل غصہ میں آ کر سیاہ فام لڑکی کو قرآن شریف واپس کر آتی ہے اور اسے سخت سست بھی سناتی ہے۔ اس ردعمل پر وہ لڑکی بجھ سی جاتی ہے۔

آغا فواد سب سے چھپ کر محمل کو فیکٹری لے جانے لگتا ہے اور اسے منع کرتا ہے کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کرے۔ وہ اسے بیش قیمت ملبوسات بھی دلواتا ہے تاکہ سدرہ کی منگنی پر وہ اپنی حیثیت کے مطابق نظر آئے۔ محمل اپنی سادگی میں اسے فواد کی محبت سمجھتی ہے۔ حسن محمل کو فواد کے سائے سے بھی دور رہنے کی تنبیہہ کرتا ہے تو محمل کو برا محسوس ہوتا ہے۔ میریٹ میں ڈنر کا جھانسہ دے کر فواد محمل کو اپنے ساتھ جانے پر آمادہ کرتا ہے۔ راستے میں کسی ڈیل کے نہ ہونے پر نقصان کا ڈراما رچا کر محمل کو کلائنٹ کے پاس بھیجتا ہے۔ وہاں جا کر محمل کو آغا فواد کے اصل چہرے کا ادراک ہوتا ہے۔ فواد نے اے ایس پی کے سامنے محمل کو بطور چارہ استعمال کیا تھا اس صورت حال پر محمل چکرا کر رہ جاتی ہے۔ وہ اسے بتاتی ہے کہ آغا فواد اس کا بھائی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۲

دوسری قسط

اس کے اردگرد جیسے دھماکے ہو رہے تھے۔ اسے بہت زور کا چکر آیا تھا' وہ گرنے ہی لگی تھی کہ ہمایوں نے اس کی دوسری کہنی سے پکڑ کر اسے کھڑا رکھا۔

"اب سیدھی طرح بتاؤ کہ تم ہمیں بے وقوف بنا رہی ہو یا آغا نے تمہیں بے وقوف بنایا ہے۔ تم محمل ابراہیم ہو اور وہ فواد کریم! وہ تمہارا سگا بھائی ہے؟ اتنے عرصے سے لڑکیاں فراہم کر رہا ہے' پہلے تو کبھی اپنی بہن کا سودا نہیں کیا۔"

"نہیں۔" اس نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔ "آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ فواد بھائی میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ آپ۔۔۔ آپ میری ان سے بات کرائیں۔۔۔ آپ خود سن لینا اور میرا ویٹ کر رہے ہیں ہمیں فنکشن پہ جانا تھا۔"

ہر عام انسان کی طرح محمل کو بھی جھوٹ کی ہلکی پھلکی عادت تو تھی ہی اور اسی پرانی عادت کا کمال تھا کہ خود بخود اس کے لبوں سے ڈنر کی جگہ فنکشن نکلا تھا' کہیں لاشعور میں اسے احساس تھا کہ اگر وہ اپنے اور فواد کے خاص ڈنر کا کہتی تو وہ اسے بری لڑکی سمجھتے۔

"راؤ صاحب! آغا فواد کو فون ملائیں۔"

"رائٹ سر!" راؤ موبائل پہ نمبر ملانے لگا۔

"اور سپیکر آن رکھیں۔" اس نے کہہ کر ایک گہری نظر محمل پہ ڈالی جو بے قرار اور ہراساں سی راؤ کے ہاتھ میں پکڑے فون کو دیکھ رہی تھی۔

"جی راؤ صاحب۔۔۔!" ایک دم کمرے میں فواد کی آواز گونجی۔ "مال پہنچ گیا؟"

"پہنچ تو گیا ہے مگر پرزے آواز بہت دیتے ہیں۔ آپ بات کر لیں۔" اس نے فون آگے بڑھا کر محمل کے کان سے لگایا۔

"ہیلو فواد بھائی!" وہ رو پڑی تھی۔ "فواد بھائی! یہ لوگ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں' آپ پلیز ان کو۔۔۔"

"بکواس مت کرو اور میری بات غور سے سنو۔ تمہیں وہ ڈائمنڈ رنگ چاہیے یا نہیں؟ چاہیے ہے نا! تو جیسے اے ایس پی صاحب کہتے ہیں کرتی جاؤ۔"

"فواد بھائی!" وہ حلق کے بل چلائی۔ "یہ میرے ساتھ کچھ غلط کر دیں گے۔"

"وہ جو کرتے ہیں کرنے دو' صرف ایک رات کی ہی تو بات ہے' اب زیادہ بک بک مت کرنا' صبح تمہیں ڈرائیور لینے آ جائے گا۔" ساتوں آسمان اس کے سر پہ ٹوٹے تھے۔

وہ ساکت سی کھڑی رہ گئی۔

"صرف ایک رات کی ہی تو بات ہے۔۔۔ صرف ایک رات کی ہی تو بات ہے۔" اس کی آواز اس کے ذہن پہ ہتھوڑے برسا رہی تھی۔

"بس ایک ڈائمنڈ رنگ کا لارا دیا ہے اس نے تمہیں؟ اور تم تو کہتی ہو کہ وہ تمہارا بھائی ہے؟" فون اس کے کان سے ہٹا کر بند کرتے ہوئے ہمایوں نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

وہ اسی طرح پتھر کا بے جان بت بنی کھڑی تھی۔ اس کا ذہن' دل' کان' آنکھیں سب بند ہو چکے تھے۔

"راؤ صاحب! پتہ کرائیں کہ یہ واقعی فواد کریم کی بہن ہے یا نہیں اور اس کی بات میں کتنی سچائی ہے' یہ تو ہم بعد میں خود معلوم کر لیں گے۔ شمس' بچل۔" اس نے زور سے آواز دی۔

اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑنے لگے تھے' ساکت کھڑے وجود میں سے سہمی سہمی جان آہستہ آہستہ نکل رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرے بادل چھانے لگے تھے۔

دو گن مین دوڑتے ہوئے اندر آئے تھے۔

"شمس! اسے اوپر والے کمرے میں بند کر دو' اور دھیان کرنا کہ بھاگنے نہ پائے اور بچل۔۔۔! اس سے پہلے کہ اس کا فقرہ مکمل ہوتا محمل چکرا کر گری اور اگر اس نے اس کو دونوں بازوؤں سے تھام نہ رکھا ہوتا تو وہ نیچے گر پڑتی۔

"محمل۔۔۔ محمل!" وہ اس کا چہرہ تھپتھپا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہوتی گئیں اور ذہن گہرے اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

اس کی آنکھوں پہ کچھ نمی ڈالی گئی تھی۔ گیلے پن کا احساس تھا یا کچھ اور اس نے ایک دم ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں۔

"اٹھ جاؤ' بہت سو لیا۔" وہ گلاس سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر سامنے کرسی پہ جا بیٹھا تھا۔

چند لمحے تو وہ خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی اور جب آہستہ آہستہ ذہن بیدار ہوا تو جیسے چونک کر سیدھی ہوئی۔

وہ بڑا سا پرتعیش بیڈ روم تھا۔ قیمتی صوفے' قالین اور بھاری خوب صورت پردے۔ وہ ایک بیڈ پہ لیٹی تھی اور اس کے اوپر بیڈ کور ڈلا ہوا تھا۔ سامنے کرسی پہ وہ اکھڑے اکھڑے تیور کے ساتھ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔

اسے یاد آیا وہ اسے کسی کمرے میں بند کرنے کی بات کر رہے تھے جب وہ شاید بے ہوش ہو گئی تھی۔ اب وہ کدھر تھی؟ اور اسے کتنی دیر بیت چکی تھی؟ گھر میں سب پریشان ہو رہے ہوں گے۔

وہ گھبرا کر قدرے سیدھی ہو بیٹھی۔ وہ ابھی تک اسی سیاہ جھلملاتی ساڑھی میں ملبوس تھی اور بیوٹیشن کی لگائی گئی ساری پنیں ویسے ہی کس کے لگی تھیں۔

"مم۔۔۔ میں کدھر ہوں؟ کیا وقت ہوا ہے؟ صبح ہو

urdutakhanepost.com

گئی؟" وہ پریشان سی ادھر ادھر دیکھنے لگی تو سامنے وال کلاک پہ نگاہ پڑی۔
ساڑھے تین بج رہے تھے۔
"ابھی صبح نہیں ہوئی اور آپ وہیں ہیں جہاں آنے کے لیے فواد نے آپ کو ڈائمنڈ رنگ کا لالچ دیا تھا۔"
"مجھے فواد بھائی نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا تھا انہوں نے کہا تھا کہ میں فائل سائن کروا کر واپس آجاؤں۔ میں جھوٹ نہیں بول رہی۔"
"میں کیسے مان لوں کہ تم سچ کہہ رہی ہو آغا فواد تو کہتا ہے کہ تم اس کے گھر میں پلنے والی ایک یتیم لڑکی ہو نہ کہ اس کی بہن۔"
"یتیم ہوں تب ہی تو تم جیسے عیاشوں کے ہاتھ بیچ ڈالا اس نے مجھے جو میرا سگا تایا زاد بھائی تھا۔ تم سب گدھوں کا بس یتیموں پہ ہی تو چلتا ہے۔" وہ پھٹ پڑی تھی۔
"مجھے یہ آنسو اور جذباتی تقریریں متاثر نہیں کرتیں۔" وہ اب اطمینان سے سگریٹ سلگا رہا تھا۔
"مجھے صرف سچ سننا ہے اور ٹھیک ٹھیک ورنہ میں تمہارے لے جا کر تمہاری کھال ادھیڑ دوں گا۔"
"میں جھوٹ نہیں بول رہی۔"
"مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اس سے پہلے وہ تمہیں کتنا شیئر دیتا رہا ہے کدھر کدھر بھیجا ہے اس نے تمہیں اور تمہارے اس گینگ میں اور کون کون ہے؟"
سگریٹ کا ایک کش لے کر اس نے دھواں چھوڑا تو لمحے بھر کو دھوئیں کے ہر غولے ان دونوں کے درمیان حائل ہو گئے۔
"مجھ سے قسم لے لیں سچ۔۔۔"
"قسم لے لوں؟ واقعی؟"
"ہاں لے لیں۔"
"سو ندوں کے سامنے عدالت میں اٹھاؤ گی قسم؟" وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا سگریٹ لبوں میں دبائے کش لے رہا تھا۔
"میں تیار ہوں۔ مجھے عدالت میں لے جائیں میں یہ سب دہرانے کو تیار ہوں۔"
"وہ تب ہو گا جب میں تمہارے کہے پہ یقین کروں گا۔ یقین جو ابھی تک مجھے نہیں آیا۔" اس نے سگریٹ ایش ٹرے پہ جھٹکی۔ راکھ کے چند ٹکڑے ٹوٹ کر گرے۔
"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میرا کسی گینگ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مجھے فواد بھائی نے کچھ نہیں بتایا تھا۔"
"تم اسے بچانے کی کوشش کر رہی ہو میں جانتا ہوں۔"
"نہیں' پلیز۔" وہ لحاف اتار کر بستر سے اتری اور گھٹنوں کے بل اس کے قدموں میں آبیٹھی۔
"اے ایس پی صاحب!" اس نے اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ "میں لاعلم تھی کہ آپ کا کیا مقصد ہے کہ' فواد بھائی کا کیا مقصد ہے' میں میرٹ میں ڈنر پہ جانے کے لیے تیار ہوئی تھی۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔" اس کی کانچ سی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گرنے لگے۔ "اللہ کی قسم! یہ سچ ہے۔"
"اللہ کی قسم کھانے کے لیے آغا فواد نے کیا پیش کیا تھا؟ ڈائمنڈ کا سیٹ؟"
وہی شکی پولیس آفیسر' اور مخصوص طنزیہ انداز۔ جتنا وہ تحمل و سنجیدہ تھا' اس کی زبان اس سے برعکس کڑوی تھی۔ محمل کا دل چاہا' اس کا منہ نوچ لے اور اگلے ہی پل وہ اس پہ جھپٹی اور اس کی گردن دبوچنے چاہی مگر ہمایوں نے اس کی دونوں کلائیاں اپنی گرفت میں لے لیں۔ اسی کشمکش میں محمل کے دو ناخن اس کے گال سے رگڑ گئے۔
"صرف آنکھیں نہیں' تمہاری تو حرکتیں بھی بلیوں والی ہیں۔" وہ کھڑا ہوا' اور اس کو کلائیوں سے پکڑے پکڑے ساتھ کھڑا کیا' پھر جھٹکا دے کر چھوڑ دیا۔ وہ دو قدم پیچھے جا ہوئی۔
"مجھے گھر جانا ہے۔ مجھے گھر جانے دو۔ میں تمہاری

منت کرتی ہوں۔" وہ مڑ کر جانے لگا تو وہ تڑپ کر اس کے سامنے آکھڑی ہوئی اور پھر سے ہاتھ جوڑ دیے۔
"صبح ہو گئی تو بدنام ہو جاؤں گی۔"
"میں نے کہا نا بی بی! مجھے یہ جذباتی تقریریں متاثر نہیں کرتیں۔" اس نے اپنے گال پہ ہلکا سا ہاتھ پھیرا' پھر استہزائیہ مسکرایا۔ پھر کہا۔ "تم بہادر لڑکی ہو۔ میں تمہیں گھر جانے دوں گا مگر ابھی نہیں۔ ابھی تم ادھر ہی رہو گی۔ کم از کم صبح تک۔"
"میں بدنام ہو جاؤں گی اے ایس پی صاحب! رات گزر گئی تو میری زندگی تباہ ہو جائے گی۔"
"ہو جائے' مجھے پروا نہیں ہے۔" وہ سگریٹ جھک کر ایش ٹرے میں پھینک کر دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ ہاتھ جوڑے کھڑے رہ گئی اور وہ دروازہ باہر سے بند کر کے جا چکا تھا۔ دروازے کی جانب وہ لپکی اور ڈور ناب زور سے کھینچا۔ وہ باہر سے بند تھا۔
"دروازہ کھولو۔۔۔ کھولو۔" وہ دونوں ہاتھوں سے زور زور سے دروازہ بجانے لگی مگر جواب ندارد۔۔۔
وہ بے بس سی زمین پہ بیٹھتی چلی گئی۔
فواد۔۔۔ فواد اس کے ساتھ ایسا کر سکتا تھا؟ اسے یقین نہ آتا تھا۔ اس نے کیا بگاڑا تھا' فواد کا جو اس نے چند روپوں کے عوض اسے بیچ دیا؟
وہ گھٹنوں پہ سر رکھے' آنسو بہاتی' وہ شام یاد کر رہی تھی جب وہ اسے دیکھتے دیکھتے چونکا تھا اور چائے کا کپ لیتے ہوئے اس کی انگلیاں اس کے ہاتھ سے مس ہوئی تھیں۔
"کم عمر' خوب صورت اور ان چھوئی۔" آغا نے کہا تھا۔ "یہ ہماری ڈیمانڈ پہ پوری اترتی ہے۔"
تو وہ اس لیے چونکا تھا کہ کسی عیاش شخص کی ہائی پروفائل ڈیمانڈ پہ اس کے گھر میں پلنے والی وہ یتیم لڑکی پوری اتر رہی تھی۔
"کتنی خوب صورت ہو محمل! مجھے پتا ہی نہیں تھا۔" اس کے گلے کا قصور اور پھر اس کی وہ ساری عنایتیں۔۔۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی کمزوری کیا ہے' اس نے اس کو اس کی من پسند چیزوں کی جھلک دکھائی یہاں تک کہ وہ جب اس کے مکمل قابو میں آگئی تو فواد نے اسے ادھر بھیج دیا اور وہ بھی کتنی بے وقوف اور سادہ تھی' اسے پتا ہی نہ چلا۔ وہ اس کو آفس میں ادھر ادھر چیزیں سائن کروانے بھیج دیتا تھا' اور کوئی کاغذ تو اس نے محمل سے لیا ہی نہ تھا' وہ تب بھی نہ سمجھ سکی؟
اور اب یہ شخص ہمایوں داؤد نہیں جانتی تھی کہ یہ آئی کون تھا' اس سے یہ سب باتیں کیوں پوچھ رہا تھا اور اس کا کیا مقصد تھا۔ اسے صرف علم تھا تو اتنا کہ اگر رات بیت گئی تو صبح اسے کوئی قبول نہ کرے گا اور قبول تو شاید اب بھی کوئی نہ کرے۔ کوئی فواد کے خلاف اس کی بات پہ یقین نہیں کرے گا' کوئی اسے بے گناہ نہ سمجھے گا اور فواد' وہ تو شاید سرے سے مکر ہی جائے کہ وہ کبھی محمل کو آفس لے کر گیا ہے۔ خدایا! وہ کیا کرے؟
اس نے بھیگا چہرہ اٹھایا۔ کمرہ قدرے دھندلا سا دکھائی دیتا تھا۔ اس نے پلکیں جھپکائیں تو آنسوؤں کی دھند نیچے لڑھکتی چلی گئی۔
کمرہ نہایت خوب صورتی سے آراستہ تھا۔ قیمتی قالین' خوب صورت فرنیچر' اور بھاری مخملیں پردے۔
پردے؟ وہ چونکی۔ کیا ان کے پیچھے کوئی کھڑکی تھی؟
وہ پردوں کی طرف دوڑی اور جھٹکے سے انہیں ایک رخ کھینچا۔ پردہ کھلتا چلا گیا۔
باہر تیرہ تھا اور اس کی روشنیاں جلی ہوئی تھیں' جن میں وہ بغیر وقت کے دو کنٹین چوکس کھڑے دیکھ سکتی تھی۔
اس نے گھبرا کر پردہ برابر کیا۔
"اللہ تعالیٰ پلیز!" وہ ورد کرنا کرنے لگی اور جب دعا کرتے کرتے تھک گئی تو۔۔۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آکھڑی ہوئی اور اپنا عکس دیکھا۔
رونے سے سارا کاجل بہہ گیا تھا' آنکھیں متورم اور قدرے بھیانک لگ رہی تھیں۔ جوڑا ڈھیلا ہو کر

گردن تک آگیا تھا اور گھنگھریالی لٹوں کے بل سیدھے ہونے لگے تھے۔

محمل ایک مضبوط اعصاب کی لڑکی تھی' اس کے باوجود فواد کے اس بھیانک روپ کا صدمہ اتنا شدید تھا کہ شروع میں تو اس نے ہمت ہار دی اور اعصاب جواب دے گئے' لیکن اب وہ کسی حد تک سوچنے سمجھنے کے قابل ہوئی تھی۔ فواد سے سارے بدلے تو وہ بعد میں چکائے گی' ابھی اسے اس اکھڑ اور سرد مہر اے ایس پی کی قید سے نکلنا تھا۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا' کچھ خاص نظر نہ آیا تو پھر وارڈ روب کھولا۔ اندر مردانہ کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ اس نے کچھ ہینگرز الٹ پلٹ کیے اور سوچ کر ایک کرتا شلوار نکالا۔ براؤن کرتا اور سفید شلوار۔ سب سے پہلے اس نے ساڑھی کے بوجھ سے نجات حاصل کی' پھر اس کرتے شلوار کو پہن کر بال سیدھے کر کے بینڈ میں باندھے اور باتھ روم میں جا کر منہ اچھی طرح دھویا۔ باہر نکلنے کے لیے کسی روزن کو تلاشتی اس کی نگاہوں کو باتھ روم کی کوئی کھڑکی دروازہ نظر نہ آیا تو مایوسی سی پلٹنے ہی لگی تھی کہ ایک دم چونکی۔

ایک دیوار میں شیلف تھا۔ اس میں شیمپو اور شیو کا سامان رکھا تھا۔ شیلف کا اندر سے رنگ باقی دیوار سے زیادہ چکنا سفید تھا۔ بھلا کیوں؟

وہ قریب آئی' سارا سامان نیچے اتارا' اور پھر بغور اندر دیکھتے ہاتھ پھیرا تو احساس ہوا کہ اس خانے کے پیچھے دیوار نہیں بلکہ کارڈ بورڈ کے سفید پھٹے تھے جو میخوں سے جڑے تھے۔ میخیں کچی اور تازہ لگ رہی تھیں۔

آگے کا کام بہت آسان تھا۔ اس نے سارے نل کھول دیے' تاکہ آواز باہر نہ جائے اور تھوڑی سی محنت کے بعد پھٹے کھینچ کر اتار لیے۔ وہ جلدی میں لگائے لگ رہے تھے' سو اسے زیادہ زور نہیں لگانا پڑا تھا۔

ان کے پیچھے کھڑکی تھی۔ اچھی خاصی چوڑی تھی۔

وہ اس میں سے باآسانی گزر سکتی تھی۔ بے حد مطمئن سی ہو کر محمل نے کھڑکی کھولی اور جب باہر جھانکا تو ایک لمحے کو تو سر چکرایا۔ کھڑکی سے دو فٹ کے فاصلے پہ دیوار تھی۔ گھر کی چار دیواری کھڑکی اور چار دیواری کے درمیان صرف خلا تھا اور نیچے بہت نیچے پکا فرش تھا۔ وہ اس گھر کی غالباً تیسری منزل پہ موجود تھی۔ شاید اسی لیے انہوں نے کچے پکے پھٹے لگا دیے تھے' اندازہ ہو گا کہ وہ یہاں سے نہیں نکل سکتی۔

اس کا دل ڈوب کر ابھرا۔ یہ آخری راستہ بھی بند ہوتا نظر آ رہا تھا۔ وہ مایوس سی نل بند کر کے کھڑکی بند کرنے ہی لگی تھی کہ سناٹے میں ہلکی سی آواز سنائی دی تھی۔

"آپ صحن میں کیا کر رہی ہیں؟"

"باجی' وہ میڈم مصباح نے کہا تھا کہ ارلی مارننگ منہ پہ گلاس رکھ کر پریکٹس کروں تو آواز اچھی نکلتی ہے' وہی کر رہی تھی۔"

لڑکیوں کی باتیں کرنے کی آوازیں بہت قریب نہیں تو بہت دور بھی نہیں تھیں۔ وہ چونکی اور پھر باتھ روم کی لائٹ بند کی۔

باہر کا منظر قدرے واضح ہوا۔ کھڑکی سے دیوار کا فاصلہ دو فٹ کا تھا' مگر وہ دیوار کی منڈیر تھی اور وہ آوازیں کہیں نیچے سے نہیں' برابر سے آ رہی تھیں۔ بالکل برابر سے۔ یعنی اس باتھ روم کے برابر سامنے کا صحن تھا۔

اگر وہ یہ دیوار پھاند جائے تو۔۔۔؟

اس اچھوتے خیال نے ذہن میں سر اٹھایا تو اس نے جوتے اتارے اور نیچے جھانکا۔ اگر گر گئی تو نہیں بچے گی' مگر موت اس ذلت سے تو بہتر ہو گی جو صبح یا اس سے بھی بدیر گھر پہنچنے پہ اسے اٹھانی پڑے گی۔

اس نے دونوں ہاتھ چوکھٹ پہ رکھے ہی تھے کہ کمرے کا دروازہ کسی نے زور زور سے کھٹکھٹایا۔ دروازے کی وہ اندر سے کنڈی لگا چکی تھی' سو وہ کھول

نہ پا رہے تھے یقیناً کسی نے پھٹے اکھاڑنے کی آواز سن لی تھی۔ وہ لمحے بھر کو بھی نہ گھبرائی اور ہاتھ بڑھا کر دیوار کو ٹٹولا۔ وہ قریب ہی تھی۔

"الھم۔۔۔ اونہوں۔۔۔" برابر والے صحن میں وہ کھنکاری تھی' اگلے اور لمحے اس کی مدھر مگر ہلکی آواز اندھیری فضا میں گونجنے لگی۔

"الھم جعل فی قلبی نورا۔" (اے اللہ! میرے دل میں نور ڈال دے۔)

محمل نے دیوار پہ دونوں ہاتھ رکھے اور نیچے دیکھے بغیر پاؤں بھی اوپر رکھ دیا۔

"وفی بصری نورا" وفی سمعی نورا۔" (اور میری بصارت و سماعت میں نور ہو۔)

گھوڑے کی پیٹھ پہ سوار کی طرح سے وہ دیوار پہ بیٹھی اور نیچے دیکھا۔ صحن کی زمین بہت قریب تھی۔ دیوار چھوٹی سی تھی۔

"وعن یمینی نورا" وعن یساری نورا۔" (اور میرے دائیں اور بائیں جانب نور ہو)

اس نے آہستہ سے دونوں پاؤں زمین پہ رکھے۔ وہ بالآخر برابر والوں کی چھت پہ اتر آئی تھی۔ لمحے بھر کو وہ بے یقین سی پلٹ کر دیوار کو دیکھنے لگی جس کے پار اے ایس پی ہمایوں داؤد کا گھر تھا۔ بلکہ قید خانہ جس سے وہ نکل آئی تھی۔ اسی پل دیوار کے پار سے روشنی سی چمکی۔ وہ ٹھٹکی۔ یقیناً کسی نے باتھ روم کی لائٹ جلائی تھی۔

اپنی بے وقوفی پہ اسے غصہ آیا۔ اسے باتھ روم کا دروازہ بند کر کے نل کھول کر آنا چاہیے تھا مگر عادی فراری تو نہ تھی' یا پھر اس لڑکی کی آواز کے لمسوں میں کسی کھوئی تھی کہ ہوش نہ رہا تھا۔

"وفوقی نورا" وتحتی نورا" (اور میرے اوپر اور نیچے نور ہو۔)

سامنے ایک برآمدہ تھا جس کے آگے گرل لگی تھی۔ گرل کا دروازہ کھلا تھا اور دروازے سے کافی دور ایک لڑکی زمین پہ بیٹھی' گرل سے ٹیک لگائے' آنکھیں بند کیے' منہ پہ گلاس رکھے گنگنا رہی تھی۔

"وامامی نورا" وخلفی نورا۔" (اور میرے آگے پیچھے نور ہو۔)

وہ دیوار کے ساتھ ساتھ گھٹنوں کے بل رینگتی گرل تک آئی۔ وہ لڑکی دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی مناجات میں گم تھی۔

"واجعل لی نورا۔" (اور میرے لیے نور بنا دے۔)

محمل چاپ پیدا کیے بغیر کھلے دروازے سے اندر رینگ گئی۔ لڑکی اسی طرح مگن سی تھی۔

"وفی لسانی نورا" وعصبی نورا۔" (اور میری زبان و اعصاب میں نور ہو۔)

اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ ادھر ادھر دیکھا۔ لمبا سا برآمدہ خالی تھا۔ بس دور ایک فریج پڑا تھا اور اس کے ساتھ جالی دار الماری تھی۔ اندھیرے میں مدھم چاندنی کے باعث اسے اتنا ہی نظر آیا تھا۔ وہ بہت آہستہ سے اٹھی اور دبے پاؤں فریج کی طرف بڑھی۔

"ولحمی نورا" ودمی نورا۔" (اور میرے گوشت اور لہو میں نور ہو۔)

فریج اور الماری کے درمیان چھپنے کی جگہ تھی' وہ جھٹ ان کے درمیان آ بیٹھی' مگر سامنے ہی دروازہ تھا۔ وہ لڑکی واپس آئی تو سیدھی اس پہ نگاہ پڑتی۔ نہیں اسے یہاں چھپنے کی بجائے نیچے جانا چاہیے۔

"وشعری نورا" وبشری نورا۔" (اور میرے بال اور کھال میں نور ہو۔)

اندر جانے والا دروازہ بند تھا۔ اگر اسے کھولتی تو آواز باہر جاتی۔ وہ پریشان سی کھڑی ہوئی۔ تب ہی جالی دار الماری کے ہینڈل سے کچھ لٹکتا نظر آیا۔ اس نے جھپٹ کر وہ اتارا سیاہ جارجٹ کا لبادہ۔

اس نے چاند کی روشنی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا چاہا۔

"واجعل فی نفسی نورا۔" (اور میرے نفس میں نور ہو)

باہر وہ بے خبری ابھی تک دعا پڑھ رہی تھی۔

اس نے لبادہ کھولا۔ وہ سیاہ عبایا تھا اور ساتھ ایک گرے اسکارف۔ محمل نے پھر کچھ نہیں سوچا اور عبایا پہننے لگی۔ تبھی اسے احساس ہوا کہ وہ مردانہ کرتا شلوار میں کھڑی ہے اور ننگے پاؤں ہے۔ وہ عبایا بھی اسے غنیمت لگا تھا۔

"واعظم لی نورا۔" (اور میری ہڈیوں میں نور ہو۔)

اسکارف کو اس نے بمشکل چہرے کے گرد لپیٹا۔ عادت نہ تھی تو مشکل لگ رہا تھا۔ اب اسے کسی طرح نیچے جا کر سڑک تک پہنچنا تھا' آگے اپنے گھر کا راستہ تو آنکھیں بند کر کے بھی آتا تھا۔

"اللھم اعطنی نورا۔" (اے اللہ! مجھے نور عطا کر۔)

وہ اسی ترنم میں پڑھ رہی تھی۔ محمل تیزی سے عبایے کے بٹن بند کر کے سکارف پہ ہاتھ پھیر کر درست کر رہی تھی کہ ایک دم اسے بہت خاموشی لگی۔

باہر صحن بہت چپ سا ہو گیا تھا۔ شاید اس لڑکی کی دعا ختم ہو گئی تھی۔

اس نے قدرے گھبراہٹ' قدرے جلد بازی میں تیزی سے دروازہ کھولنا چاہا' اسی پل اس لڑکی نے پیچھے گرل کی چوکھٹ پہ قدم رکھا۔

"السلام علیکم۔۔۔ کون؟" چوکنی سی آواز اس کے عقب میں ابھری تو اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔ دروازے پہ ہاتھ رکھے رکھے' وہ گہری سانس لے کر پلٹی۔

وہ سامنے شلوار قمیص میں ملبوس' سر پہ دوپٹہ لپیٹے' ہاتھ میں کتاب پکڑے' الجھی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

محمل کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی' جانے اب کیا ہو گا؟

"وہ میں آپ کی آواز سن کر آئی تھی' بہت اچھی تلاوت کرتی ہیں آپ۔"

"تلاوت نہیں۔۔۔ وہ دعائے نور تھی۔ میری آواز نیچے تک آ رہی تھی کیا؟" لڑکی کا انداز سادہ مگر محتاط تھا۔ محمل کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اسے کسی طرح اس لڑکی کو باتوں میں الجھا کر وہاں سے نکلنا تھا۔ ایک دفعہ وہ سڑک تک پہنچ جائے تو آگے گھر کے تمام راستے اسے آتے تھے۔

"خوب صورت آواز ہر جگہ پہنچ جاتی ہے' میں تلاوت سمجھ کر آئی تھی' معلوم نہ تھا کہ آپ دعا مانگ رہی ہیں۔"

"دعا مانگ نہیں' یاد کر رہی تھی۔ آپ نے بتایا نہیں' آپ کا نام؟"

شائستگی سے کہتی وہ لڑکی دو قدم آگے آئی تو گرل سے چھن کر آتی چاندنی میں اس کا چہرہ واضح ہوا۔

چکنی سپید رنگت۔ بے حد گلابی ہونٹ اور بادامی آنکھیں جن کی رنگت سنہرے پکھراج کی سی تھی۔ گولڈن کرسٹل یہ پہلا لفظ محمل کے ذہن میں آیا تھا اور اسے دیکھتے ہی وہ لمحے بھر کو چونکی تھی۔ بہت شدت سے محمل کو احساس ہوا تھا کہ اس نے اس لڑکی کو پہلے کہیں دیکھ رکھا ہے۔ کہیں بہت قریب' ابھی کچھ وقت پہلے۔ اس کے نقش نہیں' یہ وہ بھوری سنہری آنکھیں تھیں جو شناسا تھیں۔

"میں محمل ہوں۔" جانے کیسے لبوں سے پھسل پڑا۔ "مجھے دراصل راستے نہیں معلوم' تو بھٹک جاتی ہوں۔"

"اوہ آپ ہاسٹل میں نئی آئی ہیں؟ نیو کمر ہیں؟" اور اسے امید کا ایک سرا نظر آ گیا۔ وہ شاید کوئی گرلز ہاسٹل تھا۔

"جی' میں شام میں ہی آئی ہوں۔ نیو کمر! اوپر آ تو گئی ہوں مگر نیچے جانے کا راستہ نہیں مل رہا۔"

"نیچے آپ کے رومز تو تھرڈ فلور پہ ہی ہیں نا' پھر نیچے۔۔۔ اوہ آپ تہجد پڑھنے کے لیے اٹھی ہوں گی یقیناً۔" وہ خود سے ہی کہہ کر مطمئن ہو گئی۔ "میں بھی تہجد کے لیے نیچے Prayer Hall میں جا رہی ہوں' آپ میرے ساتھ آ جائیں۔"

اس لڑکی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا' پھر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"میں فرشتے ہوں' آ جائیں۔" وہ دروازہ دھکیل کر آگے بڑھ گئی تو محمل بھی متذبذب سی پیچھے ہولی۔ سامنے سنگ مرمر کی طویل راہداری تھی۔ دائیں طرف اونچی کھڑکیاں تھیں جن سے چھن کر آتی چاندنی سے راہداری کا سفید مرمریں فرش چمک اٹھا تھا۔ فرشتے راہداری میں آگے تیز تیز چلتی جا رہی تھی۔

"وہ ننگے پاؤں اس کے تعاقب میں چلنے لگی۔ مردانہ کھلے پائنچے اس کے پاؤں میں آ رہے تھے' مگر اوپر عبایے نے ڈھانپ رکھا تھا۔

راہداری کے اختتام پہ سیڑھیاں تھیں۔ سفید چمکتے سنگ مرمر کی سیڑھیاں جو گولائی میں نیچے جاتی تھیں۔ اس نے ننگے پاؤں زینے پہ رکھے۔ رات کے اس پہر زینوں کا سنگ مرمر بے حد سرد تھا۔ یخ ٹھنڈا۔ وہ محسوس کیے بغیر تیز تیز سیڑھیاں اترنے لگی۔

تین منزلوں کے زینے ختم ہوئے تو سامنے ایک کشادہ برآمدہ تھا۔ برآمدے کے آگے بڑے بڑے سفید ستون تھے اور سامنے لان نظر آتا تھا۔ ہلکی چاندنی میں برآمدہ نیم تاریک سا لگ رہا تھا۔

ایک کونے میں چوڑی' بے حد چوڑی سیڑھیاں نیچے جاتی دکھائی دے رہی تھیں۔ فرشتے ان سیڑھیوں کی طرف بڑھی تو لمحے بھر کو تو اسے خوف آیا۔ وہ بے حد چوڑی سیڑھیاں خاصی نیچے تک جا رہی تھیں۔ مدھم چاندنی میں چند زینے ہی دکھتے تھے' آگے سب تاریکی میں گم تھا۔ جانے کیا تھا نیچے؟

فرشتے کے پیچھے وہ سہج سہج نیم تاریک زینے اترنے لگی۔ بہت نیچے جا کر فرش قدموں تلے آیا تو محسوس ہوا کہ نیچے نرم سا قالین تھا جس میں اس کے پاؤں دھنس گئے تھے۔ وہ ایک بے حد طویل و عریض کمرے میں کھڑی تھی۔ وہ کدھر شروع' کدھر ختم ہوتا تھا' کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔ وہ ادھر ادھر گردن گھماتی اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔

فرشتے نے دیوار پہ ہاتھ مارا۔ بٹن دبانے کی آواز آئی اور اگلے ہی لمحے جیسے پورا آسمان روشن ہو گیا۔ محمل نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔

وہ ایک بہت بڑا سا ہال تھا۔ چھت گیر فانوس اور اسپاٹ لائٹس جگمگا اٹھی تھیں۔ ہال چھ اونچے ستونوں پہ کھڑا تھا۔ بے حد سفید ستون' سفید دیواریں' روشنیوں سے جگمگاتی اونچی چھت اور دیواروں میں اونچی گلاس ونڈوز۔

"وضو کی جگہ وہ سامنے ہے۔" فرشتے نے اپنے دوپٹے کو پن لگاتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا تو وہ جیسے چونکی' پھر سر ہلا کر اس طرف بڑھ گئی۔

وضو کی جگہ نیم تاریک تھی۔ سنگ مرمر کی چوکیاں اور سامنے ٹونٹیاں۔ ایک ایک ٹائل چمک رہا تھا۔ وہ ہر شے کو ستائش سے دیکھتی ایک چوکی پہ بیٹھی اور جھک کر ٹونٹی کھولی۔

فواد' اور وہ اے ایس پی۔۔۔ محمل ابراہیم کو سب فراموش ہو چکا تھا۔

"سنو۔" کھلے دروازے سے فرشتے نے جھانکا۔ "بسم اللہ پڑھ کر وضو کرنا۔"

محمل نے یونہی سر ہلا دیا اور پھر اپنے گیلے ہاتھوں کو دیکھا جن پہ ٹونٹی سے پانی نکل کر پھسل رہا تھا۔ وہ سر جھٹک کر وضو کرنے لگی۔

فرشتے جیسے اس کے انتظار میں کھڑی تھی۔

محمل اس کے برابر نماز کے لیے کھڑی ہو گئی شاید تہجد پڑھنی تھی اس نے ہاتھ اٹھائے تو رات بھر کے تمام مناظر ذہن میں تازہ ہو گئے۔ درد کی ایک تیز لہر سینے میں اٹھی تھی۔

دھوکہ دہی' اعتماد کا خون' فراڈ' بے وقوف بنائے جانے کا احساس۔۔۔ کیا کچھ فواد نے نہیں کیا تھا اس کے ساتھ؟ وہ کس کس کا ماتم کرتی؟

سلام پھیر کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو ساری عمر

کی محرومیاں اور نارسائیاں سامنے آنے لگیں۔

"میں کیا مانگوں؟ مانگنے کی ایک طویل فہرست ہے میرے سامنے۔ مجھے کبھی وہ نہ ملا جس کی میں نے تمنا کی تھی' جو ایک اچھی زندگی گزارنے کے لیے انسان کے پاس ہونا چاہیے' مجھے کبھی بھی وہ نہ ملا جو لوگ جمع کرتے ہیں۔ کیوں؟ کیوں میرے پاس وہ سب نہیں ہے جو لوگ جمع کرتے ہیں؟"

اور جب دل نے کوئی جواب نہ دیا تو اس نے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر آنسو خشک کیے اور سر اٹھایا۔

سامنے 'ہال کے سرے پہ ایک بڑا سا اسٹیج بنا تھا۔ درمیان میں میز اور کرسی رکھی تھی' ایک طرف فاصلے پہ ڈائس بھی رکھا تھا۔ شاید وہاں درس و تدریس کا کام بھی ہوتا تھا۔

کرسی کے پیچھے دیوار پہ ایک بے حد خوب صورت خطاطی سے مزین فریم آویزاں تھا۔ اس پہ وہ سرسری سی نگاہ ڈالتی یک دم ٹھٹک کر رکی۔

خوب صورت عربی عبارت کے نیچے اردو میں خوشخط لکھا تھا۔

"پس لوگوں کو چاہیے کہ اس پہ خوشی منائیں۔ قرآن ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنہیں لوگ جمع کر رہے ہیں۔" (یونس: 58)

وہ یک لخت چونکی۔

"کیا دیکھ رہی ہو محمل؟" فرشتے بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہی کہ میں نے بھی ابھی ایسا ہی کچھ سوچا تھا۔ جو ادھر لکھا ہے کتنا عجیب اتفاق ہے نا۔"

"اتفاق کی کیا بات ہے؟ یہ فریم اسی لیے تو ادھر لگا تھا کیونکہ تم نے آج صبح یہاں یہی بات سوچی تھی۔"

"مگر فریم لگانے والے کو تو علم نہیں تھا کہ میں یہی سوچوں گی۔"

"لیکن اس آیت کے اتارنے والے کو تو تھا نا۔"

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب؟"

"جس نے قرآن اتارا ہے' وہ جانتا ہے کہ تم نے کب کیا سوچنا ہے' اور یہ تمہاری سوچ کا جواب ہے۔"

"نہیں۔" اس نے شانے اچکائے۔ "میری سوچ کا اس سے کوئی تعلق نہیں' میں تو بہت کچھ سوچتی رہتی ہوں۔"

"مثلاً کیا؟" وہ دونوں دو زانو ہو کر بیٹھی تھیں اور فرشتے بہت نرمی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہی کہ اچانک کسی بے قصور انسان پہ خوامخواہ مصیبت کیوں آجاتی ہے؟"

"وہ اس کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے' ہم قطعاً بھی بے قصور نہیں ہوتے محمل۔"

"غلط' بالکل غلط۔ میں نہیں مانتی۔" وہ جیسے بھڑک اٹھی۔ "ایک لڑکی کو اس کا سگا تایا زاد پروپوز کرنے کے بہانے ڈنر کا جھانسہ دے کر اسے خوب بننے سنورنے کا کہہ کر' اپنے کسی عیاش دوست کے گھر لے جا کر ایک رات کے لیے بیچ آئے' یہ خوامخواہ کی مصیبت' خوامخواہ کا ظلم نہیں ہے کیا؟"

"نہیں۔"

"نہیں؟" محمل نے بے یقینی سے پلکیں جھپکائیں۔

"ہاں' قطعاً نہیں۔ اسی صورت حال سے بچنے کو تو اللہ تعالیٰ نے اسے بہت پہلے ہی سب بتا دیا تھا۔ یقیناً اس لڑکی کو یہ تو علم ہوگا کہ اسے ایک نامحرم کے لیے تیار نہیں ہونا چاہیے' اس کے ساتھ ڈنر پہ نہیں جانا چاہیے' کزن بھی تو نامحرم ہے اور یہ بھی پتہ ہوگا کہ اسے اپنا جسم اور چہرہ اس طرح ڈھکنا چاہیے کہ کسی نامحرم' بالفرض اس کے کزن کو' کبھی علم ہی نہ ہو سکے کہ وہ اتنی خوب صورت ہے کہ وہ اسے "بیچنے" کا سوچے۔ "اب بتاؤ' یہ ظلم ہے یا اس کے اپنے ہاتھوں کی کمائی؟"

وہ دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ بنا پلک جھپکے فرشتے کو دیکھ رہی تھی جو سر جھکائے دو زانو بیٹھی آہستگی اور نرمی سے کہہ رہی تھی۔

"اور یقیناً اپنے کزن کے دھوکے میں آنے سے قبل کسی نے اللہ کے حکم سے اسے خبردار ضرور کیا ہوگا۔ اس کے ضمیر نے یا شاید کسی انسان نے مگر اس نے پھر بھی نہیں سنا اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اسے عزت اور حفاظت سے رکھے یہ تو اللہ کا بہت بڑا احسان ہے' آؤٹ آف دی وے فیور ہے۔ ہم اتنے بے قصور ہوتے نہیں ہیں محمل! جتنا ہم خود کو سمجھتے ہیں۔"

وہ کہے جا رہی تھی اور اس کے ذہن میں دھماکے ہو رہے تھے۔

چچاؤں کا قطعیت سے فواد کو محمل کے آفس میں کام کرنے سے منع کرنا۔ حسن کے الفاظ۔ اور وہ تنبیہہ جو سدرہ کی منگنی والے روز اس نے کی تھی۔

اس نے اپنی دائیں کلائی دیکھی۔ اس پہ ادھ مندمل ہوئے زخم کے نشان تھے۔ ہاں' حسن نے اسے خبردار کیا تھا۔

"میں۔۔۔ فرشتے! میں۔۔۔ واقعی مجھے۔"

"اپنی نادانیوں پہ کسی کو گواہ نہیں بناتے محمل!

چلو فجر کی اذان ہو رہی ہے نماز پڑھتے ہیں۔"

وہ سادگی سے کہتی پھر سے کھڑی ہو گئی تھی' مگر محمل اپنی جگہ سے ہل نہ پائی۔

آگہی کا آئینہ بہت بھیانک تصویر پیش کر رہا تھا۔ اسے ایک ایک کر کے تمام باتیں پھر سے یاد آنے لگیں۔ فرشتے ٹھیک کہہ رہی تھی۔ سب سے زیادہ قصور تو خود اسی کا تھا۔ وہ آخر فواد کی گاڑی میں بیٹھی ہی کیوں تھی؟ اس نے دل اور مصحف میں سے دل کا انتخاب کیوں کیا تھا؟

اس نے بھیگی آنکھیں اٹھائیں۔ فرشتے اسی سکون سے رکوع میں کھڑی تھی اور سامنے وہی الفاظ چمک رہے تھے۔

"قرآن ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنہیں لوگ جمع کر رہے ہیں۔"

اس کا دل رو دیا تھا۔

کیسے ڈھٹائی سے اس نے اس سیاہ فام لڑکی کو اس کا مصحف واپس کیا تھا۔ اس سے اس کی آواز میں کیسی

موٹاپے سے نجات

کہا جاتا ہے کہ ہر بیماری کی جڑ پیٹ کی خرابی ہے۔ موٹاپا اور پیٹ کا بڑھ جانا خواتین کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اسی طرح چہرے پر مہاسے کیل' جھائیاں بھی پیٹ کی خرابی سے ہوتی ہیں۔

خواتین کے ان تمام مسائل کا حل

موٹاپا' پیٹ کا بڑھ جانا' معدے گرانی و تیزابیت۔ کیل مہاسے' چھیپ' جھائیاں دور کرنے

نایاب جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ

WAHID'S JAUHAR-E-HAZIM

واحد کا جوہر ہاضم

قیمت = 80/ روپے

کراچی | رحیم یار خان | لاہور

0333-5203553

Wahid Herbie Lab Karachi-Pakistan

Cell: 0333-2359577 0314-2994207-05 WHL

بے رخی تھی۔

ٹی وی پہ اذان لگتی یا تلاوت ہوتی تو وہ چینل بدل دیا کرتی تھی۔ یہ آواز کانوں پہ بوجھ لگتی تھی۔ سیپارے پڑھنا کتنا کٹھن لگتا تھا اور فجر تو سوائے پیپرز کے اس نے کبھی نہ پڑھی تھی۔ اب وہی فجر پڑھنے کے لیے وہ فرشتے کے برابر کھڑی ہو گئی۔

"میرے اللہ تعالیٰ مجھے گھر واپس پہنچا دے۔" وہ پھر سے رو دینے کو تھی۔ "مجھے تیری قسم میں پھر کبھی فواد بھائی کے ساتھ کبھی تنہا۔ کبھی ان کو اکیلے نہیں ملوں گی۔ میں قسم کھاتی ہوں۔ آئی سوئیر!"

دعا مانگ کر قدرے پرسکون ہوئی تو چہرے پہ ہاتھ پھیر کر اٹھی۔

"ایک بات پوچھوں فرشتے؟" وہ دونوں ساتھ ساتھ ہال کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں۔

"پوچھو!"

"قسم کھانے سے اللہ مان جاتا ہے؟"

"قسم ناپسندیدہ چیز ہے یہ مقدر نہیں بدلتی۔ جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔"

"اور اگر قسم کھالی جائے تو؟"

"تو مرتے وقت تک اس کو نبھانا پڑتا ہے۔" آخری سیڑھی چڑھتے فرشتے ذرا سی چونکی۔ "کوئی الٹی سیدھی قسم مت کھانا کہ یہاں سے رہائی ملنے پہ تم فلاں اور فلاں کام کرو گی۔"

"رہائی؟" برآمدے کی چوکھٹ پار کرتے محمل گڑبڑا گئی۔ دل زور سے دھڑکا۔

"ہاں تمہیں گھر جانا ہے نا۔ میں تمہیں چھوڑ آتی ہوں۔" وہ ساکت سی اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"رک کیوں گئیں آؤ نا۔"

"آپ کو... آپ کو کیسے پتا چلا؟"

"بات یہ ہے محمل! کہ اول تو تہجد کے وقت یہاں کوئی عبایا پہن کر نہیں گھومتا' دوم یہ کہ تم نے میرا عبایا اور اسکارف پہن رکھا ہے اور سوئم' میں نے تمہیں صحن پھلانگتے دیکھ لیا تھا۔"

محمل نے بوکھلا کر اپنے جسم پہ موجود عبایا کو دیکھا جس سے لمبی مردانہ شلوار کے پائنچے ذرا ذرا سے جھانک رہے تھے۔

"وہ... دراصل۔"

"ہمایوں کے باتھ روم کی کھڑکی ہماری چھت پہ کھلتی ہے۔ اس نے تمہیں باتھ روم میں بند کر دیا تھا؟ میں اس سے بات کروں گی' اسے ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تھوڑا سا خشک مزاج ہے مگر دل کا برا نہیں ہے آؤ۔" پھر اس کی شاکڈ شکل دیکھ کر وضاحت کی۔ "ہمایوں میرا فرسٹ کزن ہے' وہ برا آدمی نہیں ہے آؤ۔"

اسی پل گیٹ کسی نے زور سے بجایا۔ ساتھ ہی بیل بھی دی۔ فرشتے نے گہری سانس لی۔ "آؤ لڑکی۔" اور اس کا ہاتھ پکڑ کر گیٹ تک لائی' پھر ہاتھ چھوڑ کر دروازہ کھولا۔

"فرشتے! ادھر وہ۔"

"السلام علیکم اور یہ کیا غلط حرکت ہے؟ تمہیں مسئلہ اس کے کزن کے ساتھ ہے تو اس کو باتھ روم میں کیوں بند کیا تھا؟"

"بالکل ٹھیک کیا تھا' ہے کدھر وہ؟" وہ جواباً بگڑ کر بولا تھا۔

محمل سہم کر قدرے اوٹ میں ہو گئی۔ یہ تو وہی تھا۔ وہ اس کی آواز پہچانتی تھی۔

"وہ میرے ساتھ ہے مگر تمہیں اس سے عزت سے پیش آنا چاہیے تھا۔" فرشتے کے لہجے میں دبی دبی سختی تھی۔

"جو بھی ہے تم اسے..."

"نہیں ہمایوں! تم اس کو مجرم کی طرح ٹریٹ مت کرو۔ اس کا کیا قصور ہے؟ وہ تو اپنے بھائیوں جیسے کزن پہ ٹرسٹ کر کے معصومیت میں چلی آئی تھی۔"

وہ حق دق سنے جا رہی تھی۔ ابھی تو فرشتے کو بالواسطہ سب کتھا سنا آئی تھی اور تب فرشتے فواد کو "نا محرم" کہہ رہی تھی اور اب ہمایوں کے سامنے اس کی نادانیوں پہ کیسے پردہ ڈال گئی تھی۔

"اس کا قصور یہ ہے کہ وہ فواد کریم کی کزن ہے۔ اسے لے کر آؤ۔" اب کہ ہمایوں داؤد کا لہجہ متوازن

تھا۔ فرشتے اسے راستہ دینے کے لیے چوکھٹ پار کر کے باہر چلی گئی تو وہ دھڑکتے دل سے گیٹ کی اوٹ سے نکلی۔

سامنے ہی وہ کھڑا تھا۔ یونیفارم میں ملبوس' مکمل طور پہ تیار' اکھڑ تیور اور ماتھے پہ بل لیے۔

"جب میں نے بکواس کی تھی کہ وہاں رہو تو تم نے باہر قدم کیوں نکالا؟"

"نوکر نہیں ہوں میں آپ کی' جو آپ کا حکم مانوں۔ آپ ہیں کون مجھے حکم دینے والے' ہاں؟" وہ بھی جواباً غرائی تھی۔

"وہاٹ؟ تم۔"

"زبان سنبھال کر بات کریں اے ایس پی صاحب! میں مسجد میں کھڑی ہوں' اور اب آپ کا مجھ پہ کوئی زور نہیں ہے۔" اس نے گیٹ کا کنارہ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

"تم..." وہ کچھ سخت کہتے کہتے ضبط کر گیا' پھر فرشتے کی طرف پلٹا جو خاموشی سے سب دیکھ رہی تھی۔

"اس سے کہو کہ میرے ساتھ آئے۔ میں اس کا دشمن نہیں ہوں۔"

فرشتے نے خاموشی سے ہمایوں کی بات سنی اور جب وہ چپ ہوا تو وہ محمل کی طرف مڑی۔

"اس کے ساتھ چلی جاؤ' یہ تمہارا دشمن نہیں ہے۔"

"مجھے ان پہ رتی برابر بھروسہ نہیں ہے۔"

"ہونا بھی نہیں چاہیے مگر تمہارے تنہا گھر جانے اور پولیس موبائل میں جانے میں فرق ہو گا۔ آگے تم اپنے فیصلوں میں آزاد ہو۔"

بات کچھ ایسی تھی کہ وہ خاموش سی ہو گئی۔

"ٹھیک ہے آئیں۔" اس نے باہر قدم رکھے' پھر پلٹ کر فرشتے کو دیکھا جو گیٹ کے ساتھ سینے پہ ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔

اس کی پشت پہ وہ عالیشان تین منزلہ عمارت تھی جس کے اونچے سفید ستون بہت وقار سے کھڑے تھے۔ جیسے کوئی بلند و بالا سفید محل ہو۔ اس کا گنبد نہ تھا مگر فرشتے اسے مسجد کہہ رہی تھی۔

اس سے متصل بنگلہ اپنی خوب صورت آرائش کے ساتھ وہیں موجود تھا جہاں اس نے رات میں دیکھا تھا۔

"تھینکس۔" وہ کہہ کر رکی نہیں۔

ہمایوں سامنے کھڑی پولیس موبائل کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔ وہ اعتماد سے چلتی ہوئی آئی اور فرنٹ ڈور کھول کر نشست سنبھالی۔

"آپ مجھے میرے گھر لے کر جا رہے ہیں؟"

"نہیں۔" سرد سے انداز میں کہہ کر وہ گاڑی سڑک پہ ڈال چکا تھا۔

"پھر؟ پھر ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"تھانے!"

"مگر مجھے گھر..."

"بی بی! مجھے بحث پسند نہیں ہے۔ خاموش رہو۔" اس کو جھڑک کر ہمایوں نے اسپیڈ اور بڑھا دی۔

وہ نم آنکھوں سے سامنے سڑک کو دیکھنے لگی۔ جانے اس کی قسمت اس کو اب اور کیا کیا دکھانے والی تھی۔

☆ ☆ ☆

آج آغا ابراہیم کی عالیشان محل نما کوٹھی کے لان میں صبح سے ہی سب جمع تھے۔

آغا کریم چہرے پہ ڈھیروں غیض و غضب لیے پُر رعونت انداز میں کرسی پہ براجمان تھے۔ مہتاب تائی' فضہ اور ناعمہ چچی قریب ہی کرسیوں پہ بیٹھی معنی خیزی سے مدھم سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ غفران چچا اور اسد چچا بھی پاس ہی پریشان سے بیٹھے تھے۔

برآمدے کے مختصر زینے پہ آرزو بیٹھی تھی۔ گھٹنوں پہ پلیٹ رکھے' وہ اپنی ازلی بے نیازی سے توس پہ جیم لگا رہی تھی۔

اس کے پیچھے برآمدے میں بچھی کرسیوں پہ باقی لڑکیاں بیٹھی کھسر پھسر کر رہی تھیں۔

حسن مضطرب سا گھاس پہ ٹہل رہا تھا۔ بار بار اپنے سیل فون پہ کوئی نمبر پریس کرتا وہ جھنجلا سا رہا تھا۔ وسیم اپنے کمرے میں تھا اور۔

فواد آغا جان کے برابر کرسی ڈالے اخبار پھیلائے سرسری سا مطالعہ کر رہا تھا۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر سب کے چہروں کے تاثرات دیکھ لیتا۔ اس کے انداز میں اطمینان و سرشاری تھی۔

بس ایک مسرت تھیں جو کچن میں کرسی پہ بیٹھی خاموشی سے آنسو بہا رہی تھیں۔ ان کی ساری زندگی کی ریاضت رائیگاں گئی تھی۔ محمل کل اکیڈمی جانے کا کہہ کر باہر نکلی تھی اور جب شام تک اس کی واپسی نہ ہوئی تو ان کا دل بیٹھنے لگا تھا۔ کتنے نفل پڑھ ڈالے، کتنی دعائیں کر پیں مگر وہ واپس نہ آئی۔

بات چھپنے والی کہاں تھی بھلا؟ سب کو خبر ہو ہی گئی۔ آغا جان تو سراپا غیض و غضب بن گئے۔ تھانے جانے کی بات کی تو فواد نے ہی انہیں سمجھایا کہ گھر کی عزت داؤ پہ لگانے کا فائدہ۔ تھوڑی دیر مزید انتظار کر لیتے ہیں۔

حسن اور اسد چچا ساری رات اسے ہسپتالوں، مردہ خانوں اور سڑکوں پہ تلاشتے رہے تھے۔ مگر جب تین بجے کے قریب وہ ناکام لوٹے تو گھر میں گویا صف ماتم بچھ گئی۔

عورتوں کی معنی خیز نگاہیں، مردوں کے ملامت بھرے فقرے مسرت کو اپنی روح میں گڑتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ وہ اسی وقت سے روئے چلی جا رہی تھیں۔ کوئی صفائی، کوئی دہائی نہیں۔ بس آنکھ میں آنسو اور لبوں پہ وہ ایک ہی دعا کہ محمل کی لاش کسی ہسپتال، کسی مردہ خانے سے مل جائے مگر وہ نہ ہو جو ان کی ساری ریاضت ضائع کر دے۔

"بھاگ گئی کسی کے ساتھ، ارے میں تو پہلے ہی کہتی تھی۔" صبح کا سورج طلوع ہونے لگا تھا جب تائی مہتاب کی آواز کچن میں سنائی دی۔

"شک تو مجھے بھی یہی ہے۔" ناعمہ چچی نے بلند سی سرگوشی کی۔ وہ سب رات سے جاگ رہی تھیں۔ البتہ حسن کے علاوہ دوسرے لڑکے لڑکیاں بھرپور نیند لے کر ابھی بیدار ہوئے تھے۔

"باس!" آغا جان ایک دم دھاڑے۔ تائی اندر کچن میں روتی مسرت نے دہل کر بھیگا چہرہ اٹھایا۔

سب نے چونک کر آغا جان کو دیکھا جن کا سرخ و سفید چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔

"اب اگر وہ زندہ اس دہلیز پہ واپس آئی تو میں اسے یہیں دفن کر دوں گا۔ سن لیا سب نے۔"

"ارے ایسی بیٹیوں کا تو پیدا ہوتے ہی گلا گھونٹ دینا چاہیے۔ ابراہیم اس کو بھی ساتھ لے کر مرتا۔ ہماری عزت داغ دار کرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ توبہ توبہ۔"

"ضرور کسی کے ساتھ چکر تھا۔ قرآن اٹھا کر چھت پہ جاتی تھی، توبہ استغفار، تاکہ ہم اس پہ شک نہ کریں۔ اسی لیے تو میں نے اس دن کہا تھا مگر کوئی سنے تو۔" تائی مہتاب کو اپنا تجزیہ یاد آیا تھا۔

مسرت کا دل ڈوبتا چلا گیا۔

"تم مر جاؤ محمل، خدارا مر جاؤ مگر واپس نہ آؤ۔" ان کا دل درد سے چلایا تھا۔

"آج کے بعد اس کا نام کوئی اس گھر میں نہیں لے گا، کہہ دو اگر۔" آغا جان کی بات ادھوری رہ گئی۔

کسی نے زور سے گیٹ پہ دستک دی تھی۔

سب نے چونک کر گیٹ کو دیکھا، یہاں تک کہ برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھی توس کھاتی آرزو نے بھی سر اٹھایا تھا۔

مسرت دھڑکتے دل کے ساتھ کھڑکی میں آن کھڑی ہوئیں۔ صبح کے سات بجے پہلے تو کبھی اس طرح دستک نہ ہوئی تھی۔

"حسن! دروازہ کھولو۔" اسد چچا نے کہا تو حسن نے آگے بڑھ کر گیٹ کے چھوٹے دروازے کے ہینڈل کا لیچ کھولا اور پیچھے ہوا۔

دروازہ کھلتا چلا گیا۔ ایک مرمریں سپید ہاتھ دروازے پہ دھرا اور پھر چوکھٹ پہ اندر آتے سپید ننگے پاؤں دکھائی دیے۔

آغا جان بے چینی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ باقی سب بھی ساتھ ہی اٹھے۔ سب کی نظریں گیٹ پہ جمی تھیں جہاں چھوٹے دروازے کو کھول کر وہ اندر داخل ہو رہی تھی۔

سیاہ پاؤں تک آتا عبایا اور چہرے کے گرد سختی سے لپیٹا سرمئی اسکارف، ننگے پاؤں، سر جھکائے، محمل ابراہیم نے اندر قدم رکھا۔

"حسن! اس سے کہو یہاں سے دفع ہو جائے، ورنہ میں اس کا خون کر دوں گا۔" آغا جان اندر سے دھاڑے تھے۔ "ابھی اور اسی وقت نکل جاؤ یہاں سے بے شرم لڑکی ورنہ۔"

"آپ کے باپ کا گھر ہے جو نکل جاؤں؟"

وہ جو گردن جھکائے اندر قدم رکھ رہی تھی ایک دم سر اٹھا کر اتنی بے خوفی سے غرائی کہ لمحے بھر کو سب بھونچکا رہ گئے۔ تائی مہتاب نے تو ششدر سا ہو کر منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔

حسن اٹھ کر محمل کو دیکھ رہا تھا اور فواد۔

فواد اپنی جگہ ساکت رہ گیا تھا۔

وہ اب پلٹ کر گیٹ کھول رہی تھی۔

دوسرے ہی لمحے زن سے دو پولیس موبائلز آگے پیچھے ڈرائیو وے پہ اندر آئیں۔ ٹھاٹھ دروازے کھلے اور سپاہی اتر کر تیزی سے ادھر ادھر پھیلتے چلے گئے۔

"پورے گھر کی تلاشی لو۔" بلند حکمیہ کہتا وہ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر نیچے اترا۔ یونیفارم میں ملبوس، چہرے پہ مدھم سی فاتحانہ مسکراہٹ لیے وہ گھاس پہ کھڑے ان پتھرائے ہوئے لوگوں کے قریب آیا۔

وہ سب اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہل سکا۔ فواد کو ہی سب سے پہلے ہوش آیا۔ اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی لگائی جا رہی تھی۔

"کیا ہوا اس ہے؟" اس نے غرا کر ہاتھ پیچھے کرنے چاہے۔

"اس وارنٹ میں لکھا ہے کہ تمہاری ضمانت قبل از گرفتاری منسوخ ہو چکی ہے اور یہ کہ تمہیں فوری گرفتار کر کے عدالت میں پیش کیا جائے۔"

"مسئلہ کیا ہے آفیسر؟ کیا کیا ہے میرے بیٹے نے؟"

"آغا صاحب! آپ کے بیٹے نے اپنی کزن ــــ" ہمایوں نے ایک نگاہ محمل پہ ڈالی جو گیٹ کے ساتھ سینے پہ ہاتھ باندھے کھڑی نفرت بھری نظروں سے فواد کو دیکھ رہی تھی۔ "محمل ابراہیم کو اپنی ایک پھنسی ہوئی فائل نکلوانے کے عوض ایک رات کے لیے بچا اور اپنی ہتاشہ کرتے ہوئے وہ غالباً اسی فائل کے اپروو ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے سر، میرا بیٹا ــــ"

"آپ کا بیٹا شمالی علاقہ جات کی لڑکیوں کے اغوا اور خرید و فروخت میں ملوث ہے، یہ آپ بھی جانتے ہیں اور ہم بھی۔ اس دفعہ انہوں نے چالاکی کی اور اپنی کزن کا سودا کر کے اسے دھوکے سے متعلقہ پارٹی کے پاس بھیجا۔ البتہ آپ کی بھیجی پولیس کی حفاظت میں ہی رہی کیونکہ وہ پولیس کے پلان کے تحت تھا۔ آغا فواد نے گینگ کو منظر عام پہ نہ لانے کے لیے چال تو اچھی چلی مگر ہر چال کامیاب نہیں ہوتی۔"

"محمل کا اس اسے ایس پی سے چکر تھا۔" فواد خاموشی سے سن کر بہت آرام سے بولا۔ میں نے انہیں رنگے ہاتھوں پکڑا تھا اب اپنے کرتوت پہ پردہ ڈالنے کے لیے مجھے پھنسا رہے ہیں ماں کہ۔"

"خاموش ہو جائیں۔" وہ پھٹ پڑی تھی۔ "ایک لفظ بھی آپ نے میرے متعلق کہا تو میں آپ کا منہ نوچ لوں گی۔ آپ نے میرے ساتھ کیا کیا، آپ کو اندازہ ہے؟"

"ارے یہ کیا چپ رہے، میں بتاتی ہوں۔" تائی مہتاب جیسے ہوش میں آئی تھیں، ایک دم سینے پہ ہاتھ مارتی سامنے آئیں۔ "سارا فساد اسی لڑکی کا مچایا ہوا ہے یہ میرے بیٹے کو پھنسا رہی ہے تاکہ اس کے اپنے کرتوت نہ کھلیں۔" آغا صاحب۔" انہوں نے تائید طلب نظروں سے آغا جان کو دیکھا اور پھر ادھر ادھر گردن گھمائی۔ سب خاموش کھڑے تھے۔ کسی نے ہاں ــــ یا ناں نہیں کی۔

"لڑکی کا نام محمل ابراہیم ہے۔" ہمایوں نے موبائل کا بٹن دبا کر ان کے سامنے کیا۔ اسپیکر سے آواز

گونجنے لگی۔ فواد کی آواز۔ جو بنا وقت پہچانی جاتی تھی۔
"تین تاریخ' ہفتے کی شام وہ آپ کے پاس ہو گی۔ معصوم' ان چھوئی اور نوجوان ہے۔ آپ کی ڈیمانڈ پہ پوری اترتی ہے۔" اور ایک قہقہہ۔
محمل کو اپنا چہرہ تمتماتا ہوا محسوس ہوا۔
ذرا سے وقفے سے مختلف آوازیں گونجی تھیں۔
"فواد بھائی! یہ لوگ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔"
"فواد بھائی! یہ لوگ میرے ساتھ کچھ غلط کر دیں گے۔"
"بکواس بند کرو اور میری بات غور سے سنو۔ تمہیں وہ ڈائمنڈ رنگ چاہیے ہے نا؟ تو جیسے وہ کہیں کرتی جاؤ۔ بس ایک رات کی ہی تو بات ہے۔ صبح تمہیں ڈرائیور لینے آجائے گا۔"
ہمایوں نے بٹن دبایا' اور موبائل نیچے کیا۔ فواد نے سر جھٹکا۔
"آڈیو قانون کی عدالت میں قابل قبول نہیں ہوتا اے ایس پی صاحب۔"
"گھر کی عدالت میں تو ہوتا ہے۔"
اور وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ان سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ ہر شخص اپنی جگہ ساکت و متاسف کھڑا تھا۔
"دیکھ لوں گا میں' ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔"
"فی الحال تو تمہیں ایک لمبے عرصے تک جیل کی دیواروں کو دیکھنا ہو گا۔"
"اسی دن کے لیے۔" حسن ایک دم تیزی سے سامنے آیا۔ "اسی دن کے لیے کہتا تھا کہ اس سے دور رہو' ساری دنیا جانتی ہے' یہ کس قماش کا آدمی ہے' لڑکیوں کا کاروبار کرتا ہے' اسی لیے تمہیں منع کرتا تھا۔"
"مجھے منع کر سکتے تھے' اس کے ہاتھ نہیں توڑ سکتے تھے؟ میری جگہ اپنی بہن ہوتی تو بھی کچھ نہ کرتے؟" وہ جواباً ایسے تڑخ کر بولی کہ حسن کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ محمل کبھی ایسے نہ بولی تھی۔
"محمل۔۔۔ میں۔"
"مجھے آپ کی کوئی وضاحت نہیں چاہیے۔ آپ سب ایک سے ہیں۔" اس نے منہ پھیر لیا تھا۔ تب ہی اس نے برآمدے کے ستون کے ساتھ نڈھال سی مسرت کو دیکھا جو جانے کب ادھر آکھڑی ہوئی تھیں۔ ان کے قریب برآمدے کی سیڑھی پہ بیٹھی آرزو بنا پلک جھپکے مبہوت سی اس مغرور اور وجیہہ سے اے ایس پی کو دیکھ رہی تھی۔ توس کا ٹکڑا اس کے ہاتھ میں رہ گیا تھا۔
"آغا صاحب! انہیں روکیں' یہ میرے بیٹے کو کدھر لے جا رہے ہیں۔" وہ فواد کو لے جانے لگے تو تائی مہتاب' آغا جان کا بازو جھنجھوڑ کے رو پڑی تھیں۔
آغا جان چپ کھڑے تھے' بالآخر غفران چچا آگے بڑھے۔
"بھابھی بیگم! حوصلہ کریں ان شاء اللہ فواد شام تک گھر پہ ہو گا۔" ان کی بات پہ ہمایوں نے استہزائیہ سر جھٹکا اور پلٹا۔
"ایک منٹ اے ایس پی صاحب۔"
آغا جان ٹھہرے ہوئے انداز میں مخاطب ہوئے تھے۔ وہ چونک کر پلٹا۔
"یہ لڑکی رات باہر گزار آئی ہے' ہم شریف لوگ ہیں' اس کو قبول نہیں کر سکتے۔ آپ اسے بھی بھلے ساتھ ہی لے جائیں۔"
محمل ساکت رہ گئی۔ اسے لگا وہ کبھی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے گی۔
"واقعی؟" ہمایوں نے ابرو اٹھائی۔
برآمدے کے ستون سے لگی مسرت کے آنسو پھر سے ابل پڑے۔
"جی واقعی!" ان کے چبا کر کہنے پہ وہ مسکرایا۔
"ٹھیک ہے محمل بی بی! تھانے چلیے آپ سلطانی گواہ ہیں' گواہی دیں اور فواد کریم کو ساری عمر جیل میں سڑتے دیکھیں۔ میں نے تو چاہا تھا' گھر کی بات گھر میں رہ جائے' لیکن اگر آپ چاہتے ہیں کہ ساری دنیا کو علم ہو کہ فواد نے گھر کی بچی کا سودا کیا ہے تو ٹھیک ہے' ہم اس سلطانی گواہ کو ساتھ لے چلتے ہیں نہ آپ اس بچی کو سمجھا بجھا کر راضی کر کے چپ کرا سکیں گے' نہ ہی فواد کبھی باہر آئے گا۔ چلو محمل۔"
"ارے نہیں اے ایس پی صاحب! محمل ہماری بچی ہے' بھائی صاحب بس یونہی ناراض ہیں' ہمیں یقین ہے کہ یہ پولیس کی حفاظت میں رہی ہے۔ عزت سے گھر آئی ہے۔" غفران چچا نے بوکھلا کر بات سنبھالی۔
"نہ بھی یقین کریں' پھر بھی' محمل کو ہم نے مسجد بھجوا دیا تھا' عورتوں کی مسجد ہے' میری بہن ادھر پڑھاتی ہے۔" اس نے آغا صاحب کو بغور دیکھتے ہوئے بہن پہ زور دیا اور ایک سخت نظر ڈالتا پلٹ گیا۔
وہ ابھی تک ویسے ہی ساکت و ششدر کھڑی تھی جیسے اسے آغا جان کے الفاظ کا ابھی تک یقین نہیں آیا تھا۔
گاڑیاں گیٹ سے باہر نکل گئیں۔ غفران چچا موبائل پہ کوئی نمبر ملانے لگے۔ تائی مہتاب زور زور سے رونے لگیں۔
"یہ سارا اسی منحوس کا کیا دھرا ہے۔ اسے گھر سے نکالیے آغا صاحب! کمبخت نے میرے بچے کو پھنسا دیا' اپنے باپ کے ساتھ کیوں نہیں مر گئی؟"
وہ جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھیں مگر حسن درمیان میں آگیا۔
"کیا کر رہی ہیں آپ تائی اماں؟" ان کے دونوں ہاتھوں کو گرفت میں لیے اس نے بمشکل انہیں باز رکھا "بھلا ایک لڑکی کے کہنے پہ فواد کریم جیسے اثر و رسوخ والے شخص کے اریسٹ وارنٹ بن سکتے ہیں؟"
"یہ جھوٹ بکتی ہے' میں اسے چان سے مار دوں گی۔"
"محمل۔۔۔! اندر جاؤ۔" فضہ چچی نے آہستہ سے کہا تو وہ چونکی اور پھر اندر کی طرف دوڑی۔
فضہ اور ناعمہ نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ آغا جان ڈرائیو وے کی طرف بڑھ گئے۔ تائی اماں ابھی تک حسن کے بازوؤں میں رو چیخ رہی تھیں۔
وہ بھاگتی ہوئی برآمدے کے سرے پہ رکی۔ ستون سے لگی کھڑی مسرت نے منہ پھیر لیا۔ اسے دھکا سا لگا۔
"اماں۔۔۔!" اس کی آنکھوں میں مرچیں چبھنے لگیں۔
"اے محمل۔۔۔!" آرزو نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو وہ ذرا سا چونکی۔
"یہ ہینڈسم آفیسر کون تھا؟"
"یہ ہمایوں تھا ہمایوں داؤد۔"
"ہوں نائس نیم۔ کدھر رہتا ہے؟"
"جہنم میں۔ لیڈریس چاہیے؟" وہ زہر خند ہوئی تو آرزو نے برا سا منہ بنایا۔ محمل اس کا ہاتھ جھٹک کر ایک شکوہ کناں نگاہ ماں پہ ڈالتی اندر بھاگتی گئی۔
"ہمایوں داؤد۔۔۔!" آرزو زیر لب مسکرائی اور پھر توس۔۔۔ کھانے لگی۔

☆ ☆ ☆

گھر میں اگلے کئی روز تک خاموشی چھائی رہی۔ بس ایک حسن تھا جو ہر دم' ہر ایک کے سامنے اس کا دفاع کرتا نظر آتا۔
"اگر محمل کی جگہ آرزو ہوتی تو بھی آپ یہی کہتیں چچی؟" وہ ناعمہ کی کسی بات پہ بھڑک کر بولا تو وہ جو سر منہ لپیٹے اندر پڑی تھی' جھٹکے سے اٹھی اور تیزی سے باہر آئی۔
"آپ کو کوئی ضرورت نہیں ہے ہر ایک کے سامنے میری صفائی دینے کی۔" وہ لاؤنج میں آکر ایک دم چلا کر بولی تو سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔
"مگر محمل!"
"اگر ان لوگوں نے مجھے یونہی پورے خاندان میں بے عزت کرنا ہے تو ٹھیک ہے۔ اگر عزت ایک دفعہ چلی گئی تو میں کس عزت کو بچانے کے لیے کورٹ میں چپ رہوں گی؟ میں بھی بھری عدالت میں سارے شہر کو بتاؤں گی۔ سن لیں آپ سب۔"
اپنے پیچھے دھاڑ سے دروازہ بند کر کے اس نے پھر سے خود کو کمرے میں قید کر لیا۔

digest.pk